آستین کا لہو
علیم الحق حقّی
جاسوسی نشست
JASOOSI NASHIST

آستین کا لہو

علیم الحق حقی

عرصۂ دراز کے بعد جاسوسی کے درمیانی صفحات میں کوئی ناول جلوہ گر ہو رہا ہے جس کے تعارف میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ میری ہگنس کلارک کی تازہ ترین تحریر ہے اور اسے اُردو میں منتقل کرنے والے ہیں علیم الحق حقی وہی حقی جو ایسے ہی کٹھن اور صبر آزما کاموں کے لیے مشہور رہے ہیں اور پہلے بھی

وہ بہت احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس موسم میں پنڈی سے مری تک کا سفر اچھے سے اچھے ڈرائیور کے لئے ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس وقت صبح کے چھ بجے تھے لیکن سویرا ہونے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے۔ برف باری تھم چکی تھی۔ اب پاگل، سرد ہوا ہر طرف شور مچاتی پھر رہی تھی۔ یہاں وہ کار کے ونڈ اسکرین سے وحشیانہ انداز میں سر ٹکرانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

سڑک رات ہی کھلی تھی مگر اب پھر طوفان کی آمد کے آثار تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ کسی بھی وقت برفانی طوفان آئے گا اور سڑک بند ہو جائے گی۔ وہ مری میں پھنس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسے اپنا کام نمٹا کے فوراً ہی واپس جانا تھا۔

یہ طے تھا کہ اس موسم میں کوئی مقامی آدمی بھی باہر نہیں ہوگا۔ لہٰذا وہ آسانی سے اپنا کام نمٹا سکتا تھا۔ راستے میں اسے ایک پولیس کار بھی ملی تھی مگر انہوں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس کار کی ڈکی میں سامان کے نیچے ایک پلاسٹک بیگ ہے، جس میں مشہور خاتون صحافی ثریا نعیم کی لاش بند ہے۔

اس نے گاڑی روک دی۔ اب اسے لاش کو چھپانا تھا۔ یہ بھی طے تھا کہ برف اس کے قدموں کے نشان مٹا دے گی۔ چھپی ہوئی لاش سے اس کے ہر تعلق کو توڑ دے گی۔ ویسے بھی اس نے اتنی زحمت اس لئے کی تھی کہ یہاں سے لاش دریافت ہونے میں کم از کم چھ ماہ لگتے۔

وہ ڈھلوانی راستے پر چلتا رہا۔ آگے ایک خطرناک ڈھلوان تھی۔ تقریباً عمودی۔ وہاں چٹانوں کا ایک ڈھیر تھا۔ درمیانی رخنوں کو بڑے بڑے آزاد پتھروں نے بھر دیا تھا۔ یہ جگہ اس نے گزشتہ سال ہائیکنگ کے دوران دیکھی تھی۔ وہ ایک گول پتھر نما چٹان پر آرام کرنے کے لئے بیٹھا تھا۔ اس کا ہاتھ پھسلا تو اسے وہاں ایک بڑے خلا کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ اس وقت بھی اس نے سوچا تھا کہ یہ کچھ چھپانے کے لئے بہت مناسب جگہ ہے۔

پگڈنڈی پر برف قدرے سخت ہو گئی تھی۔ قدم جما کر چلنا ایک دشوار مرحلہ تھا۔ کئی بار وہ پھسلا اور گرتا پڑتا بہرحال

چٹانوں تک پہنچ گیا۔ اس نے چٹان کو ٹٹولا۔ خلا اب بھی موجود تھا۔ بس وہ ذرا چھوٹا لگا۔ تاہم اسے یقین تھا کہ لاش چھپائی جا سکتی ہے۔

اگلا مرحلہ سخت ترین تھا۔

زندگی میں ثریا بہت دبلی پتلی تھی مگر مرنے کے بعد اس نے ثابت کر دیا تھا کہ اس کا چوڑا بدن تھا۔ اس کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ وہ لاش والے بیگ کو کچھ اٹھا کر اور کچھ گھسیٹ کر عمودی ڈھلوان تک لایا۔ پھر ایک لمحے سوچنے کے بعد اس نے بیگ کو عمودی ڈھلوان سے لڑھکا دیا۔ بلاوجہ کی مشقت کا کیا فائدہ!

اس نے بیگ کو غار میں رکھا اور زور لگایا۔ بیگ کھلا تو ثریا کی لاش نظر آنے لگی تھی۔ سفید کوٹ پر دھبے تھے ــــ ثریا کے ہونٹ یوں سکڑے ہوئے تھے جیسے وہ اپنی عادت کے مطابق کوئی زہریلا اور ناقابل برداشت جملہ کہنے والی ہے۔ حالانکہ زندگی میں آخری زہریلا اور کاٹ دار جملہ جو اس نے ادا کیا تھا، وہ اس کی زندگی کی بدترین بلکہ مہلک غلطی تھی۔

یہ سوچ کر وہ مسکرا دیا لیکن وہ مسکراہٹ بے حد نفرت انگیز تھی۔

اس نے دستانے پہنے ہوئے تھے، اس کے باوجود وہ اسے چھونا نہیں چاہتا تھا۔ اسے مرے ہوئے تقریباً چودہ گھنٹے ہو چکے تھے۔ اسے اطمینان کا احساس ہونے لگا۔ اس نے جلدی سے غار کے منہ پر پتھر جمانا شروع کر دیے۔

کام مکمل ہو گیا۔ اسی لمحے برف باری شروع ہو گئی۔ گویا قدموں کے نشانات مٹنے کا سامان بھی ہو گیا۔

وہ واپسی میں راول ڈیم کی جھیل پر رکا۔ ثریا کا پرس اور دیگر سامان ٹھکانے لگانے کے لئے وہ مناسب ترین جگہ تھی۔ وہ تمام چیزیں اس نے جھیل کی نذر کر دیں۔ اب صرف ایک چیز بچی تھی جس سے اسے چھٹکارا پانا تھا۔ وہ تھا پھٹا ہوا خون آلود پلاسٹک جسے اس نے جلانے کا فیصلہ کیا تھا۔

صبح آٹھ بجے وہ شوروم پہنچا، اس نے کار کا کرایہ ادا کیا اور کار واپس کر دی۔

دس بجے وہ اپنے گھر میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس پر اعصابی کمزوری کا حملہ اب ہوا تھا۔ اب اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔

میری ہگنس کلارک کی ایک طویل کہانی "پس نقاب" کے نام سے آپ کو پڑھوا چکے ہیں۔
زیر نظر کہانی کو بطور خاص مشرقی ماحول میں ڈھالا گیا ہے تاکہ نامانوس ناموں اور مقامات کے سبب آپ کا لطف مطالعہ مجروح نہ ہو۔
کہانی کا وصف خاص سسپنس اور تھرل کے ساتھ ساتھ اس کی تیز رفتاری ہے جو آپ کی نظر صفحات سے ہٹنے نہیں دے گی۔

یہ کل شام کی بات تھی جب وہ ثریا کے گھر گیا تھا۔ اس نے ثریا کی زہریلی گفتگو' اس کی دھمکیاں سنی تھیں۔ اسے اپنا ثریا کے حلق پر وار کرنا اور ثریا کا پیچھے کی طرف گرنا یاد آیا۔

ثریا ایک کتاب لکھنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے اس نے کسی پُرسکون مقام پر جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اسی لحاظ سے اس نے لاش کو کسی ایسی جگہ چھپانے کا منصوبہ بنایا تھا' جہاں سے وہ فوراً اور آسانی سے دریافت نہ ہو۔ لوگ یہی سمجھتے کہ ثریا لکھنے کی فضا بنانے کے لئے اور ڈسٹربنس سے بچنے کے لئے کہیں چلی گئی ہے۔ وہ ایسا اکثر کرتی رہتی تھی۔ آزاد طبع جو ٹھہری۔

اس نے الماری سے ثریا کے آخری سفر کے لئے لباس بہت سوچ سمجھ کر منتخب کیا تھا۔ اسی نے اس کا خون آلود گاؤن اتارا تھا۔ پھر اس نے جس طرح اسے تھام کر سفید سوٹ پہنایا تھا' اس کے متعلق سوچ کر اس وقت بھی اس کا جی برا ہونے لگا۔ خون اس وقت بھی جاری تھا۔ سفید سوٹ بھی خراب ہو گیا لیکن یہ ضروری تھا۔ اس طرح جب لاش ملتی... اگر ملتی تو.... یہ سوچا جاتا کہ اسے انہی کپڑوں میں قتل کیا گیا ہے۔ اس نے سوٹ کے لیبل کاٹ ڈالے تھے تاکہ شناخت میں مزید کچھ دیر لگے۔

اب سب کچھ ٹھیک تھا۔ وہ ہر طرح سے محفوظ تھا۔

لیکن کافی کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس سے بے حد فاش غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اسے یہ احساس بھی ہو گیا کہ اس غلطی کو بڑی آسانی سے اور یقیناً پکڑنے والی ہستی کون ہے؟ شہلا آفتاب!

○☆○

طوفانی بارش ہو رہی تھی۔ شہلا نے یاد کیا کہ آج اسے کون کون سے ادھورے کام مکمل کرنے ہیں۔ سلائی کرنے والی دو لڑکیاں جو اسلام آباد میں رہتی تھیں' ان کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ گویا اسے دکان پر جلدی پہنچنا تھا۔

کبھی کبھی اس کا جی چاہتا تھا کہ جسمانی طور پر وہ اپنی ماں جیسی ہوتی۔ ویسے سیاہ لانبے بال اور بولتی ہوئی سیاہ کٹورا آنکھیں اسے اپنی بنگالی ماں سے ورثے میں ملی تھیں لیکن جسمانی ساخت کے اعتبار سے وہ اپنے باپ پر گئی تھی۔

اس نے باپ کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھی اور اسے بغور دیکھا۔ وہ بہت تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ مگر یہ کہنا مناسب نہیں تھا۔ وہ یہ علامتیں سمجھتی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ بابا رات ٹھیک طرح سے نہیں سو سکے ہیں۔ ویسے بھی نیند ان کا پرانا مسئلہ تھا۔ رات کو سوتے سوتے ان کی آنکھ کھلتی اور پھر نیند کی گولی لینے کے بعد ہی کہیں دوبارہ نیند آتی۔ کھانے پینے کے وہ بہت شوقین تھے مگر گزشتہ ماہ کے دل کے دورے کے بعد انہیں اپنا یہ شوق ترک کرنا پڑا تھا۔ پُرسکون خاموشی میں ناشتا ہوتا رہا۔ آفتاب ضمیر اخبار بھی پڑھتے رہے۔ پھر اچانک انہوں نے کہا "آج گل زمان جیل سے رہا ہو رہا ہے۔"

شہلا ایک لمحے کو سانس لینا بھی بھول گئی "اوہ.... میں تو سمجھی تھی کہ..." اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آگے کیا کہے۔

آفتاب ضمیر نے کہا "اس نے پوری سزا کاٹی ہے۔ البتہ قید کے دوران اچھے رویوں اور چال چلن کی وجہ سے سزا میں کچھ تخفیف کی گئی ہے۔ آج رات وہ شہر میں موجود ہو گا"

نفرت نے اس کے چہرے کو درشت بنا دیا۔

"دیکھئے بابا... آپ اس سلسلے میں سوچتے رہیں گے تو خدانخواستہ دوسرا ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے" شہلا نے کہا۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ لرز رہے ہیں۔ اس نے میز کا کونا تھامتے ہوئے خواہش کی کہ کاش بابا نے اس کے لرزتے ہاتھ نہ دیکھے ہوں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے خوف سے واقف ہوں "میں نہیں جانتی کہ عدالت کا فیصلہ سننے کے بعد گل زمان نے جو دھمکی دی تھی وہ محض دھمکی تھی یا نہیں ...البتہ آپ نے ماما کی موت سے اس کا تعلق ثابت کرنے کی کوشش میں برسوں لگا دیے۔ مگر کسی طرح بات نہ بنی۔ اور سنیں! اب میری فکر کرنے نہ بیٹھ جایئے گا۔ یہ سوچ کر کہ اب گل زمان آزاد ہے اور مجھے خطرہ لاحق ہے۔"

آفتاب ضمیر ایس پی کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ڈرگ مافیا کے گل زمان کو انہوں نے ہی سلاخوں کے پیچھے پہنچایا تھا۔ عدالت کا فیصلہ سننے کے بعد گل زمان نے آفتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا "تم سمجھتے ہو کہ تم نے بڑا معرکہ انجام دیا ہے۔ سنا ہے تمہیں ترقی مل گئی ہے۔ اب تم ایس پی ہو۔ مبارک ہو۔ میں نے اخبار میں تمہارا انٹرویو پڑھا تھا۔ تمہاری بیوی اور بچی کی تصویر بھی دیکھی تھی۔ ان دونوں کی حفاظت کا خیال رکھنا۔ انہیں تحفظ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

ڈیڑھ ماہ بعد ایس پی آفتاب کی بیوی خدیجہ کو کسی نے بے دردی سے قتل کر دیا۔ کسی نے جو ہر پارک میں اس کا گلا کاٹ دیا تھا۔ قتل کا وہ کیس پولیس آج تک حل نہیں کر سکی تھی۔

○☆○

ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی شہلا کا ذہن.... کاش ایسا ہوتا... اگر یوں ہوتا... جیسے بے سود جملوں کی گردان کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر اس کی ماں کا قاتل گرفتار ہو جاتا تو بابا کے زخم مندمل ہو گئے ہوتے۔ اب یوں تھا کہ وہ ماما کے قتل کا ذمے دار خود کو سمجھتے تھے۔ ماما کے قاتل کی گرفتاری بابا کی ان خواہشوں میں سے تھی جو اہم ہونے کے باوجود پوری نہیں ہوئی تھیں اور بابا کو یقین تھا کہ ماما کو گل زمان نے قتل کرایا ہے۔

اگر ماما کا قاتل برسوں پہلے گرفتار ہو گیا ہوتا اور اسے سزا ہو گئی ہوتی تو بابا اب تک نارمل ہو چکے ہوتے۔

وہ اپنے خیالات میں اس طرح کھوئی ہوئی تھی کہ ٹیکسی دکان کے سامنے رک گئی اور اسے پتا بھی نہ چلا۔

"آپ یہاں کام کرتی ہیں؟" ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔ "بہت مہنگی دکان معلوم ہوتی ہے۔"

شہلا نے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ یہ میری دکان ہے.... میری اپنی دکان۔ یہ دعویٰ اب بھی اس کے رگ و پے میں عجیب سی سنسنی دوڑا دیتا تھا۔ بابا کے عزیز ترین دوست نے جو اب ملک کا مشہور فیشن ڈیزائنر تھا' اسے اس طرف لگایا تھا۔ ابتدا میں بابا نے اس کے جمال آفاقی سے قرض لینے کی پُرزور مخالفت کی تھی لیکن شہلا اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ آنکھوں اور بالوں کے علاوہ اسے اپنی فن کارانہ مزاج کی مالک ماں سے رنگوں اور فیشن کا شعور بھی ورثے میں ملا تھا۔ پھر پچھلے سال اس نے جمال انکل کا قرض بھی واپس کر دیا تھا۔ اور اب اس کا کام کافی پھیل رہا تھا۔ پہلے وہ صرف پنڈی' اسلام آباد کی مارکیٹ اور مری کے گرمیوں کے سیزن پر انحصار کرتی تھی مگر اب اس کے فیشن کراچی میں بھی دھوم مچا رہے تھے۔ اب وہ ایکسپورٹ کے بارے میں بھی سوچ سکتی تھی۔ فیشن بزنس پاکستان میں بھی امریکی طرز پر استوار ہو رہا تھا۔

دکان کھلی ہوئی تھی۔ شہناز سوئنگ روم میں موجود تھی۔ شہلا نے رین کوٹ اتارتے ہوئے کہا "تمہیں یاد ہے' ثریا بیگم نے زور دے کر کہا تھا کہ ان کی تمام چیزیں آج شام تک مکمل ہونی چاہئیں۔"

"مجھے یاد ہے۔ بس یہ تُرپائی مکمل کرنی ہے۔ پھر ان کا کام مکمل ہو جائے گا۔ میں ان کی بک جھک سننا بھی نہیں چاہتی۔"

"لیکن وہ بہت اچھی کسٹمر ہیں ہماری" شہلا نے نرم لہجے میں کہا۔

شہلا' ثریا کے آرڈر کا کام خود کرتی تھی۔ ثریا مشہور صحافی تھی۔ اس نے سیاسی شخصیت کے انٹرویوز سے صحافت کا آغاز کیا تھا۔ اب وہ فیشن میگزین کے لئے بھی لکھتی تھی۔ حال ہی میں اس کی ایک کتاب امریکا سے چھپی تھی اور بیسٹ سیلرز لسٹ میں شامل رہی تھی۔ بعد میں اس کا ترجمہ وطن میں بھی شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ تین سال پہلے ثریا اور شہلا کے درمیان تعلق قائم ہوا تھا اور ثریا نے اپنی خوش لباسی کی ذمے داری پوری طرح شہلا کو سونپ دی تھی۔ شہلا وہ فہرست بھی بناتی تھی جس میں کسی مخصوص سوٹ کے لوازمات کی تفصیل لکھی ہوتی تھی۔ تاکہ ثریا کم سے کم وقت میں کہیں جانے کے لئے ڈھنگ سے تیار ہو سکے۔

آخری بار' تین ہفتے پہلے شہلا نے ثریا کے کپڑوں کی الماری کا جائزہ لیا تھا۔ اس کے اگلے روز ثریا دکان پر آئی تھی اور اس نے نئے ملبوسات کا آرڈر دیا تھا "جس آرٹیکل کے سلسلے میں میں نے تم سے انٹرویو لیا تھا' وہ مکمل ہو چکا ہے" ثریا نے بتایا تھا "اب بہت لوگ خفا ہوں گے مجھ سے۔"

کپڑوں کے انتخاب کے سلسلے میں ان کے درمیان صرف ایک سوٹ پر اختلاف ہوا تھا "یہ سوٹ تو میں آپ کو نہیں دے سکتی" شہلا نے کہا تھا "اس لئے کہ "ملبوسات" کے کپڑوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی۔ میں بابر کو' اس کی کسی چیز کو برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے وہ شخص زہر لگتا ہے۔"

اس پر ثریا کھلکھلا کر ہنس دی تھی "تم میرا آرٹیکل پڑھنا۔ میں نے تو اس میں بابر کو پھانسی ہی دے دی ہے لیکن یہ سوٹ تو مجھے چاہئے۔ ویسے بھی اس کے ملبوسات مجھے سوٹ کرتے ہیں۔"

وہ "ملبوسات" کا آخری سوٹ تھا جو شہلا نے خریدا۔ جب بعد میں اسے پتا چلا کہ بابر غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم ...افغانیوں اور بنگالیوں کا استحصال کر رہا ہے اور صنعتی مزدوروں کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کم عمر بنگالی اور افغانی بچوں کو برائے نام اجرت دے کر ان سے کام لے رہا ہے تو اس نے "ملبوسات" کا بائیکاٹ کر دیا۔ یہی نہیں' اس نے بابر کو ڈاک کے ذریعے مشہور انگریزی شاعرہ الزبتھ بیرٹ براؤننگ کی اس نظم کی فوٹو کاپی بھی بھیج دی جس کی وجہ سے انگلینڈ میں مزدور بچوں کے قوانین تبدیل ہوئے تھے۔

بابر کے دفتر کے کسی شخص نے یہ اطلاع ماہنامہ ڈریس میگزین کو دے دی۔ میگزین نے اس نظم کو اور شہلا کے خط کو نمایاں کر کے شائع کیا اور دیگر بڑی دکانوں سے اپیل کی کہ "ملبوسات" کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ایک ترقی پسند شاعر نے اس انسانیت سوز رویے اور محنت کشوں کے استحصال پر ایک طویل' اثر انگیز نظم لکھ کر شائع کرا دی۔ اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ جمال انکل بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے کہا "شہلا بیٹی! بابر کے پاس چھپانے کو اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے۔ تمہاری اس حرکت سے احتسابی ادارے بابر کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ بابر مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ انکم ٹیکس والے بھی اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"بہت خوب! اگر وہ انکم ٹیکس کی چوری میں بھی ملوث ہے تو اسے اس کی سزا بھی ملنی چاہئے" شہلا نے ہنس کر کہا تھا۔

اب اسے ثریا نعیم کا نیا مضمون پڑھنے کی بے تابی ہو رہی تھی۔

اس نے بیٹھ کر ثریا کے لئے فہرست بنائی کہ کس سوٹ کے ساتھ کیا کیا پہننا ہے۔ وہ آٹھ سوٹ تھے۔ وہ اور ان کے ساتھ دیگر میچنگز' یہ سب ملا کر پندرہ ہزار کا بل بنتا تھا۔ ثریا سال میں دو بار اس طرح کے اخراجات کرتی تھی۔ اس نے ایک بار شہلا کو بتایا تھا کہ بیس سال پہلے اس نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی تھی۔ اس وقت اسے جو کچھ ملا تھا وہ اس نے

نہایت عقل مندی سے ایک کاروبار میں لگا دیا تھا اور اب سال میں دوبارہ وہ نفع کی فصل کاٹتی ہے" میرا سابق شوہر مجھے ڈیڑھ ہزار روپے ماہانہ دینے کا بھی پابند ہے۔ جس وقت طلاق ہوئی تو وہ بہت خوش حال تھا۔ اس نے اپنے وکیل سے کہا تھا... اس عورت سے میرا پیچھا چھڑا دو۔ اس کے لئے میں کچھ بھی ادا کر سکتا ہوں۔ مجھے طلاق دینے کے بعد اس نے شادی کر لی۔ اب اس کے تین بچے ہیں۔ اب سال میں دو تین بار وہ مجھے فون کرتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ میں نان نفقہ معاف کر دوں۔"

شہلا نے ثریا کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔

شہلا ساڑھے چھ بجے دکان بند کرتی تھی۔ اس نے سوچا، شام کو گھر جاتے وقت ثریا کی چیزیں اسے پہنچاتی ہوئی چلی جائے گی۔ اگر ثریا موجود نہ ہوئی تو وہ یہ تمام سامان بلڈنگ کے منتظم کو دے دے گی۔ اس طرح اگر ثریا کا کہیں جانے کا ارادہ ہوا تو اسے نئے کپڑے بروقت مل جائیں گے۔

شہلا کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ اب ثریا کو صرف کفن کی ضرورت ہے۔

○☆○

آفتاب ضمیر کئی ہفتوں سے پریشان تھا اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے یاد تھا، سترہ سال پہلے اس نے گل زمان کی دھمکی کو نظر انداز کرنے کی غلطی کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈرگ مافیا کے بھی کچھ اصول ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کے بیوی بچوں سے کوئی تعرض نہیں کرتے لیکن پھر خدیجہ موت کا شکار ہو گئی تھی۔ اسے بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ واردات کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ خدیجہ فٹ پاتھ چھوڑ کر پارک میں کیوں گئی تھی؟ قاتل نے ایسی کون سی پٹی پڑھائی تھی کہ وہ اس کے ساتھ پارک میں.... اپنی قتل گاہ میں جانے کو رضامند ہو گئی۔

وہ پارک پہنچا تھا تو پولیس والے متجسس تماشائیوں کو دور رکھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اخبار والے بھی وہاں موجود تھے۔ ان کے فلیش بلبوں نے اس کی آنکھیں چُندھیادی تھیں۔ جیسے تیسے وہ لاش کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اسے سینے سے لگانا، بانہوں میں سمیٹنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی سانسیں اسے دے کر زندہ کر دینا چاہتا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب وہ کبھی متحرک نہیں ہو گی۔

آفتاب نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ خدیجہ اس کے تصور میں چل پھر رہی تھی۔

○☆○

بالا کم اجرت پر کام کرنے کا قائل نہیں تھا۔ ٹپ کچھ زیادہ نہیں ملتی تھی۔ بھاگ دوڑ بھی بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ ریسٹورنٹ معروف ترین کاروباری علاقے میں واقع ہونے کی وجہ سے بہت چلتا تھا لیکن وہ بے چارہ کیا کرتا۔ مجبوری تھی۔ اسے مشروط طور پر رہا کیا گیا تھا۔ اگر وہ کسی ایسی ویسی سرگرمی میں ملوث ہوتا تو دوبارہ اندر کر دیا جاتا۔

ابھی اسے مزید تین ماہ شرافت سے گزارنے تھے۔ اس کے بعد اس نے سوچا تھا کہ بیٹھ کر زندگی گزارنے کی از سرِ نو منصوبہ بندی کرے گا۔ اس کے لئے مسئلہ صرف پیسوں کا نہیں تھا۔ وہ متحرک زندگی گزارنا چاہتا تھا.... ایکشن کا قائل تھا۔

"او بالے!" ریسٹورنٹ کے منیجر کی پکار نے اسے چونکا دیا۔

"میں نے تجھ سے کہا تھا ناکہ کام کے دوران یہاں فون نہیں آنے چاہئیں" منیجر نے ریسیور کو میز پر پٹخا "لے بات کر لے"

بالے نے ریسیور اٹھایا۔ استاد حنیف کی آواز پہچاننے میں اسے ایک لمحہ بھی نہیں لگا۔ دس سال پہلے وہ اور استاد جیل میں یکجا ہوئے تھے۔ استاد کا دستِ تعلق بہت دراز تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی سفید پوش بدمعاشوں سے اس کے تعلقات تھے۔

"کل گیارہ بجے جوہر پارک کے سامنے ملنا۔ میں سیاہ شیورلیٹ میں ہوں گا" استاد نے کہا۔

رابطہ منقطع ہوگیا۔ ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے بالے کو احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کی باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔

○☆○

نعیم گھر میں اکیلا تھا۔ جمعرات کی شام اس نے ریسٹورنٹ فون کرکے اپنے منیجر سے کہا تھا" میری طبیعت خراب ہے۔ آج میں نہیں آسکوں گا۔ تم کام چلا لینا کسی طرح۔"

جمعرات کی رات اسے بہت اچھی نیند آئی۔ مگر جمعے کی صبح وہ جاگا تو خوف زدہ تھا۔

مالی مسائل اسے وحشت زدہ کر رہے تھے۔ اس کی بڑی بیٹی زرعی یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ اس کی فیس کے سلسلے میں اس نے جو چیک بھیجا تھا وہ واپس آ گیا تھا۔ اس پر اس کی بیوی فرزانہ نے اس کی خوب خبر لی تھی۔ اور وہ شرمندہ ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

کبھی کبھی یوں ہوتا کہ وہ آئینہ دیکھتا اور پھر فرزانہ کی اپنے ساتھ وہ تصویر دیکھتا جو شادی کے موقع پر کھینچی گئی تھی۔ تب اسے احساس ہوتا کہ وقت اسے روندتا ہوا گزرا ہے۔ اس کے ساتھ کے دوسرے لوگ تو اب بھی پہلے جیسے ہی لگتے تھے۔

فرزانہ بہت اچھی بیوی تھی۔ سگھڑ، صفائی پسند۔ ثریا جیسی عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد تو فرزانہ جنت کی حور لگتی تھی۔ اسے طلاق کا مقدمہ یاد تھا۔ اس کا وکیل تاحیات نان نفقہ ادا کرنے کے حق میں نہیں تھا لیکن اس نے وکیل سے کہا تھا" میرے لئے سکون کی کسی قیمت پر

بھی یہ مہنگا سودا نہیں۔"

ان دنوں ہوٹل بہت اچھا چل رہا تھا۔ پیسہ اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھا۔ مگر اب... اب نئے نئے ہوٹل کھل گئے تھے۔ جدید طرز کے ہوٹل۔ پرانے ہوٹلوں کا بزنس بری طرح متاثر ہوا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ اخراجات بہت بڑھ گئے تھے اور بزنس کچھوے کی چال چل رہا تھا۔ فرزانہ کے حسین چہرے پر فکرمندی کی لکیریں ہر وقت نظر آتی تھیں۔ ظاہر ہے' بچوں کے تعلیمی اخراجات میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا تھا۔ مہنگائی الگ بڑھتی جا رہی تھی اور آمدنی تھی کہ مسلسل سکڑ رہی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ اسے ثریا کے مرنے یا دوسری شادی کرنے تک اسے ڈیڑھ ہزار روپے ماہانہ ادا کرنا تھے۔

خود اسے تو یہ کھلتا ہی تھا لیکن فرزانہ کے لئے تو ناقابلِ برداشت تھا۔ اس پر آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔

پچھلے ہفتے جو جھڑپ ہوئی وہ تو بدترین تھی۔ فرزانہ نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ثریا نے ایک پبلشر سے اپنی نئی کتاب کا معاہدہ کر کے ایڈوانس وصول کیا ہے "جاؤ اور اسے بتا دو کہ میں جا کر اخبار نویسوں کو بتا دوں گی کہ وہ کس طرح ہمارا خون چوس رہی ہے" فرزانہ نے بھنا کر کہا تھا "بڑی شہرت ہے نا اس کی' لوگوں کو پتا تو چلے کہ وہ کتنی سفاک ہے۔ اپنے سابق شوہر کو بلیک میل کر رہی ہے...."

"یہ بلیک میلنگ تو نہیں۔ یہ تو نان نفقہ کہلاتا ہے" نعیم نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی "لیکن خیر.... میں اس سے بات کروں گا۔"

فرزانہ فیصل آباد گئی ہوئی تھی۔ اسے اتوار کی شام کو واپس آنا تھا۔ نعیم نے اٹھ کر گھر کی صفائی شروع کر دی۔ جیسے جیسے فرزانہ کی واپسی کا وقت قریب آ رہا تھا' اس کے ہاتھوں کی لرزش بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا.... کیا فرزانہ بھانپ لے گی۔ میری تبدیلی محسوس کر لے گی؟

فرزانہ سوا پانچ بجے آئی "تم نے چیک کے سلسلے میں وضاحت کر دی؟" نعیم نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔ اور جب میں نے یونیورسٹی کے اکاؤنٹنٹ کو اس چڑیل ثریا کے نان نفقہ کے بارے میں بتایا تو اسے شاک لگا۔ وہ ہفتے میں ایک بار ایک اخبار میں کالم بھی لکھتا ہے۔ ثریا کی سفاکی کا سن کر اسے بڑی حیرت ہوئی۔ کہنے لگا... آج آپ نے ایک بت توڑ دیا" فرزانہ نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

نعیم کو شاک لگا۔ برہمی کے عالم میں ثریا بھی یہی کرتی ہے۔ کیا نفسیات داں درست کہتے ہیں کہ آدمی کتنی ہی شادیاں کرلے' درحقیقت ایک ہی شخصیت سے شادی کرتا ہے؟ اس نے حیرت سے سوچا۔

"تم سناؤ' ثریا سے ملاقات کی تم نے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

نعیم پر عجیب سی تھکن اور بے زاری مسلط ہو گئی۔ اسے وہ آخری منظر یاد آ گیا "ہاں .... ملا تھا" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ فرزانہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے بڑی احتیاط سے لفظ منتخب کئے تاکہ وضاحت کر سکے "تم نے ٹھیک کہا تھا فرزانہ۔ وہ اپنی شہرت کو داغ دار نہیں کرنا چاہتی۔ وہ مجھے آزاد کرنے پر رضامند ہو گئی ہے۔"

فرزانہ کھڑی ہو گئی "مجھے یقین نہیں آتا۔ تم نے کیسے قائل کر لیا اسے؟"

نعیم کو ثریا کے لفظوں کی کاٹ اور اس کا دیوانگی سے بھرپور قہقہہ یاد آیا۔ اس نے ثریا سے التجا کی تھی... پھر دھمکیاں دی تھیں۔ پھر اسے تند برہمی کی وہ لہر یاد آئی جو اس کے وجود میں دوڑ گئی تھی۔ پھر اسے ثریا کی آخری دھمکی یاد آئی۔ اوہ میرے خدا... یہ کیسا عذاب ہے؟

○☆○

اتوار کی صبح بالا جو ہر پارک والی سڑک پر کھڑا تھا۔ ہوا اتنی سرد تھی کہ کپڑوں سے گزر کر جسم چھیدے ڈال رہی تھی۔ وہ استاد حنیف کا منتظر تھا۔ ٹھیک گیارہ بجے اسے ایک سیاہ شیورلیٹ آتی دکھائی دی۔ گاڑی رکی۔ بالے نے دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کے دروازہ بند کرنے سے پہلے ہی گاڑی آگے بڑھ گئی۔

اب وہ جی ٹی روڈ پر تھے۔ ایک مقام پر استاد حنیف نے گاڑی کو سڑک سے اتارا اور کچے میں ایک گھنے درخت کے نیچے روک دیا۔ اس پر بالے کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ کسی منصوبے کی جزئیات اسی جگہ طے کرتے تھے۔

استاد نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا "یہ دس ہزار ہیں" اس نے کہا "کام کر دو گے تو اتنے ہی اور ملیں گے۔"

بالے نے لفافہ قبول کر لیا "کہو.... کس کا سر اتارنا ہے استاد؟" اس نے پوچھا۔

"تم ہفتے میں دو تین بار اس کے لئے کھانا لے کر جاتے ہو۔ وہ ہفتے میں دو ایک بار گھر سے پیدل اپنی دکان پر آتی ہے اور دکان سے گھر بھی پیدل ہی جاتی ہے۔ شارٹ کٹ کے واسطے وہ جو ہر پارک سے گزرتی ہے۔ وہاں اسے ٹھکانے لگا دو اور اس کا بیگ لے بھاگو۔ اس میں سے رقم نکال کر اسے کہیں بھی پھینک دینا تاکہ یہ کسی چور اچکے کی کارروائی معلوم ہو۔ پارک میں نہ گھیر سکو تو گارمنٹ بازار میں گھیر لو۔ وہ ہر پیر کو بازار جاتی ہے۔ بس ایک بات کا خیال رکھنا۔ یا تو یہ کوئی حادثہ معلوم ہو یا راہزنی کی واردات۔"

بالے کو عجیب سی پریشانی ہونے لگی "یہ تو بتاؤ' وہ ہے کون؟"

"اس کا نام ہے شہلا آفتاب۔"

بالے نے لفافہ جھٹکے سے یوں استاد کی طرف بڑھایا جیسے لفافے میں ٹائم بم کی موجودگی کی مصدقہ اطلاع ملی ہو "استاد... دماغ چل گیا ہے تمہارا؟ وہ ایس پی کی بیٹی ہے۔"

"ایس پی کی نہیں، ریٹائرڈ ایس پی کی کہو۔ اور وہ راتیں بھی یاد کرلو جیل کی، جب تم میرے سامنے شیخیاں مارتے تھے۔ مجھے بتاتے تھے کہ تم نے کیسے کیسے کام کئے ہیں اور صاف بچ نکلے ہو۔ یاد ہے، ہر واردات کی پوری تفصیل بتاتے تھے تم۔ نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے تھے۔ میں پولیس کو گمنام کال کے ذریعے یہ سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ خود سوچ لو کہ اس کے بعد تمہارا کیا حشر ہوگا۔ میں سیدھا سادا آدمی ہوں بالے۔ تم مجھے انسداد جرائم کا ذریعہ نہ بناؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔"

بالا بھی جانتا تھا اور استاد حنیف بھی کہ یہ ممکن نہیں۔ استاد، بالے کی مخبری کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ مگر اب جبکہ کام پوری طرح سامنے آچکا تھا تو بالا خطرناک سمجھا جاسکتا تھا۔ بالا جانتا تھا کہ انکار کی صورت میں اس کی زندگی کی کہیں سے کوئی ضمانت نہیں ملے گی۔ اور یہ کہ اس کی موت بھی ممکنہ طور پر حادثاتی ہوگی۔ چنانچہ اس نے خاموشی سے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

○☆○

پیر کی صبح شہلا، ثریا نعیم کے کپڑے لے کر امیر پلازہ پہنچی تو نیچے ہی اسے بیلا مل گئی۔ بیلا کو اسٹیج پر اداکاری اور رقص کا جنون تھا.... نسلاً وہ بنگالی تھی۔ ہفتے میں غالباً دوبارہ وہ ثریا کے فلیٹ کی صفائی ستھرائی کے لئے آتی تھی۔

شہلا کو اس وقت بیلا رحمت کا فرشتہ معلوم ہوئی "ثریا کے فلیٹ کی چابی تو ہے نا تمہارے پاس؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں لیکن اس وقت تو میں جارہی ہوں۔ ان کے گھر کی صفائی کا دن کل ہے۔"

"چلو... کل ہی سہی۔"

وہ بوجھ پھر اس کی دکان پر پہنچا۔ ملبوسات ہینگرز پر لٹکادیے گئے تاکہ ثریا آجائے تو پیکنگ میں کوئی دشواری نہ ہو۔

پیر کی سہ پہر شہلا بازار ضرور جاتی تھی۔ یہ اس کا معمول تھا۔ یوں گارمنٹ مارکیٹ کا سروے بھی ہوجاتا تھا اور فیشن ڈیزائننگ کے لئے نئے خیال بھی سوجھ جاتے تھے۔ اسی روز وہ بک اسٹالز پر گھوم کر امریکا اور برطانیہ کے فیشن میگزین بھی خرید لیتی تھی۔ یہاں فیشن ڈیزائننگ میں اوریجنالٹی تھی ہی کہاں۔ دو ایک ڈیزائنرز کو چھوڑ کر تمام کے تمام امریکی اور یورپی فیشن بکس سے استفادہ کرتے تھے۔ وہاں کے فیشن میں یہاں کی ضروریات اور روایات کے پیش نظر تبدیلیاں کرلیتے تھے۔

اس نے چند بڑے گارمنٹ اسٹورز میں کچھ ملبوسات بک کرائے۔ گھوم پھر کر وہ تھک گئی تو اس کے قدم جمال انکل کی طرف اٹھنے لگے۔ یہ بھی ہر پیر کو اس کے معمولات میں شامل تھا۔ ان کے گارمنٹ ہاؤس کا نام جمالستان تھا۔ ملک میں ان سے بہتر اور اوریجنل فیشن ڈیزائنر کوئی نہیں تھا۔

راستے میں اس وقت شہلا کی طبیعت بڑی مکدر ہوئی جب اس کا بابر سے سامنا ہوا۔ اگرچہ دونوں نے ایک دوسرے کو نظرانداز کیا اور بات نہیں کی لیکن شہلا کو احساس ہوگیا کہ بابر کا وجود نفرت اور اس کے خلاف غصے سے پھنک رہا ہے۔

جمالستان کے ریسپشنسٹ نے جیسے ہی شہلا کو دیکھا، انٹر کام پر جمال آفاقی کو اس کی آمد کے متعلق بتادیا۔ جمال آفاقی اس کے خیرمقدم کے لئے خود اپنے آفس سے نکل آئے۔

دفتر میں بیٹھتے ہی جمال نے کہا "یہ تو پاگل کردینے والا دن ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے۔ میں نے قیمتیں مزید بڑھادی ہیں لیکن لوگ ہیں کہ ملبوسات کی خریداری کے لئے ٹوٹے پڑ رہے ہیں" وہ مسکرائے۔

انکل جمال، قاری صابر اور بابا بچپن کے دوست تھے۔ وہ ساتھ کھیلے کودے، ایک ہی اسکول میں پڑھے لیکن بعد میں تینوں نے اپنے لئے الگ الگ راہیں منتخب کیں۔ وہ تینوں ہم عمر تھے۔ گویا انکل کی عمر ساٹھ کے قریب تھی لیکن انہیں دیکھ کر یقین ہی نہیں آتا تھا۔

"اور آفتاب کا کیا حال ہے؟" جمال نے پوچھا "جمعہ کو گل زمان رہا ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے، آفتاب اب اس کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوگا۔ شہلا... تم ایسا کرو، اس ہفتے کسی دن مجھے رات کے کھانے پر مدعو کرلو۔ مجھے اس سے ملے ہوئے ایک مہینہ ہوگیا ہے۔"

"منظور... آپ خود کو مدعو سمجھیں اس لمحے سے" شہلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

چپراسی چائے لے آیا تھا۔ جمال نے چائے دانی سے پیالی میں چائے انڈیلی اور شہلا کی طرف بڑھائی۔

"یہ آپ کا آفس مجھے بہت اچھا لگتا ہے" شہلا نے کہا۔ ڈیسک کے پیچھے والی دیوار پر وہ ڈیزائن آویزاں تھا، جس سے جمال آفاقی کو شہرت ملی تھی۔ انہوں نے شہلا کو بارہا بتایا تھا کہ اس ڈیزائن کے لئے انسپائریشن انہیں کراچی کے فش ایکوریم سے ملی تھی۔ جمال نے بتایا تھا "یہ ۷۲ء کی بات ہے، جب پاکستان میں ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کی ترقی کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ فیشن ڈیزائننگ تو بہت دور کی بات ہے۔ میرے اس ڈیزائن نے ایک نئے عہد کا آغاز کیا۔ ورنہ اس سے پہلے لان کو کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کے بعد تو ہر ٹیکسٹائل مل نے لان بنانا شروع کردی۔ شبنم لان، ستارہ لان، یہ لان، وہ لان..."

"اور تم کب کررہی ہو شادی؟ اب کرہی لو" انکل جمال نے اسے چونکا دیا۔

"شادی.... انکل! میں تو محبت کے بغیر شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔"
"تو محبت بھی ہوئی کسی سے؟"
"نہیں۔"
"اور وہ جو پچھلے دنوں آفتاب کے محکمے کا ڈی ایس پی تمہارے گھر مدعو تھا' وہ تم میں بہت دلچسپی لے رہا تھا....."
"سنیں انکل... میں بابا سے بھی یہی کہتی ہوں۔ جب میری زندگی میں کوئی مناسب شخص داخل ہوگا تو مجھے معلوم ہوجائے گا۔ تب میں آپ دونوں کو بتادوں گی۔"
"دیکھو بٹیا!... خوابوں کے شہزادے کا انتظار کرنے میں عمر نہ بتادینا" جمال انکل نے بے حد شفقت سے کہا "تم تو دراصل پریوں کی ایک کہانی سن سن کر جوان ہوئی ہو۔ اپنے بابا اور ماما کی محبت کی کہانی۔ لیکن بٹیا' عام طور پر انسانوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ تمہارے بابا اور ماما خوش قسمت تھے۔"
"اوہ... تو آپ کے ساتھ یہ ہوا ہے؟" شہلا نے شیریں لہجے میں پوچھا۔
"ہاں... میں نے چار بار محبت کی مگر ہر بار شادی سے پہلے ہی مجھے پتا چل گیا کہ میں مس رانگ کے چکر میں پڑ گیا ہوں۔ اور مس رائٹ کوئی ملی ہی نہیں" جمال انکل نے ہنستے ہوئے کہا۔
شہلا نے چائے کی پیالی خالی کی اور اٹھ کھڑی ہوئی "اب میں چلتی ہوں انکل۔ آپ جمعرات کو رات کے کھانے پر آجائیں۔"
"ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھنا' میں آفتاب کی طرح پرہیزی کھانا نہیں کھاتا۔"
"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ کھانے کی میز پر آپ کو چٹورے پن کا تمام سامان ملے گا۔"
وہ باہر نکلی تو شوروم سے گزرتے ہوئے جمالستان کے نئے ڈیزائنوں کا جائزہ لئے بغیر نہ رہ سکی۔ ڈیزائن اچھے ضرور تھے مگر غیر معمولی نہیں تھے۔ انکل نے کہا تھا کہ قیمتیں بڑھانے کے باوجود گاہک ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ کیا واقعی؟ یا انکل یوں ہی کہہ رہے تھے؟ اس نے سوچا۔ پھر وہ باہر نکل آئی۔

○☆○

اگلی صبح ساڑھے آٹھ بجے شہلا لدی پھندی امیر پلازہ پہنچی تو بیلا حسب وعدہ وہاں موجود تھی۔ دونوں دیر تک فلیٹ کے دروازے پر لگا اطلاعی گھنٹی کا بٹن دباتی رہیں۔ اطلاعی گھنٹی بجتی رہی لیکن لاحاصل۔ بالآخر بیلا نے اپنے پرس میں سے چابی نکال کر دروازہ کھولا۔ شہلا حیران رہ گئی۔
اندر بیڈ روم کے دروازے کے قریب ایک تندرست وتوانا جوان العمر شخص کھڑا تھا۔ وہ یقیناً کپڑے بدل رہا ہوگا۔ ٹائی اس کے ہاتھ میں تھی۔ چہرے پر بدمزگی اور ترش روئی تھی۔ حالانکہ وہ خاصا پُرکشش آدمی تھا۔
"آپ کون ہیں بھئی؟" شہلا نے سنبھل کر پوچھا "اور اتنی دیر بیل بجتی رہی تو آپ نے دروازہ کیوں نہیں کھولا؟"
"میرے خیال میں یہ سوال پوچھنے کا حق مجھے ہے' آپ کو نہیں" جوان آدمی نے چڑ کر کہا "اور میری مرضی' دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں۔ آپ کو کیا پریشانی ہے؟"
بیلا جلدی سے بولی "آپ بیگم صاحب کے بھانجے ہیں نا؟ میں نے آپ کی تصویر دیکھی ہے۔ آپ کا نام ساجد ہے شاید۔"
"مجھے اپنے تعارف کی ضرورت نہیں۔ اپنا نام جانتا ہوں میں" جوان شخص اور چڑ گیا "مجھے یہ بتائیں کہ آپ کیا بلا ہیں؟"
"میں شہلا آفتاب ہوں" شہلا نے کہا "اور یہ بیلا ہے۔ یہ ہفتے میں دوبار یہاں صفائی کے لئے آتی ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ ثریا بیگم کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ انہیں یہ ملبوسات جمعے تک چاہئیں۔ میں جمعے سے اب تک یہ بوجھ اٹھائے پھر رہی ہوں۔"
"خالہ کے بارے میں تو مجھے بھی کچھ معلوم نہیں۔ انہوں نے جمعے کی شام مجھے یہاں بلایا تھا۔ کہا تھا' کوئی ضروری کام ہے لیکن وہ جب سے یہاں آئی ہی نہیں۔ اچھا اب مجھے دفتر جانا ہے۔ آپ یہ کپڑے یہاں چھوڑ جائیں" پھر وہ بیلا کی طرف مڑا "اور اگر تم فلیٹ کی صفائی کرنے آئی ہو تو کھڑی کیوں ہو؟"
"ایک منٹ" شہلا نے ہاتھ اٹھا کر کہا "اس کا مطلب ہے کہ آپ جمعے سے یہاں رہ رہے ہیں۔ پھر آپ نے دروازہ کیوں نہیں کھولا؟"
"آپ یہاں کس وقت آئی تھیں؟"
"سات بجے کے قریب۔"
"سوری۔ اس وقت میں سگریٹ لینے کے لئے گیا ہوا تھا۔"
شہلا نے اپنے پرس سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "اگر ثریا بیگم آپ سے رابطہ کریں تو مجھے ضرور بتایئے گا۔ میں تو ان کی طرف سے فکر مند ہو رہی ہوں۔"
"میری سمجھ میں آپ کی پریشانی نہیں آئی" ساجد نے کہا "مجھے یہاں اسلام آباد آئے ہوئے دو سال ہوگئے۔ اس دوران تین بار وہ بغیر کچھ بتائے خاصے عرصے کے لئے غائب ہو چکی ہیں۔ میں تو اب یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ وہ کریک ہیں" اتنی دیر میں اس نے ٹائی باندھ لی تھی۔ پھر وہ رخصت ہو گیا۔
اچانک ہی اپارٹمنٹ کی گرد آلود فضا میں شہلا کا دم گھٹنے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگے۔
"کیسا عجیب آدمی ہے" بیلا بڑبڑائی "ایک انڈا' وہ بھی گندا۔"

بے چاری بیگم صاحبہ ۔ یہی ایک رشتے دار ہے ان کا ۔ "

" اچھا... چلو ' اب یہ کپڑے رکھوادو " شہلا بولی ۔

کپڑوں کی الماری بہت بڑی تھی اور پورے بیڈ روم کی چوڑائی میں پھیلی ہوئی تھی ۔ بیلا نے چیزیں سمیٹ کر جگہ بنائی اور شہلا نے سلیقے سے نئے ملبوسات الماری میں لٹکادیے ۔ پھر اس نے کپڑوں کا جائزہ لیا ۔ الماری پر اجمالی نظر ڈالی ۔ کپڑوں کا سفری بیگ اور سوٹ کیس الماری میں موجود نہیں تھا ۔ وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ کم از کم چار جوڑے کپڑے بھی موجود نہیں ہیں " ثریا بیگم واقعی کہیں نکل گئی ہیں " اس نے کپڑے اِدھر اُدھر ہٹاتے ہوئے بیلا سے کہا " خیر.... کوئی بات نہیں ۔ بل میں ان کے اکاؤنٹنٹ کو بھیج دوں گی ۔ وہ چیک بھیج دے گا ۔ ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے لیکن تمہاری تنخواہ کا کیا ہوگا؟"

" میری فکر نہ کریں آپ " بیلا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا " ابھی دو ہفتے پہلے ہی تو میں نے ان سے ایڈوانس لیا تھا ۔ "

لیکن نہ جانے کیوں شہلا کو رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ ثریا کی اس اچانک روانگی میں کوئی غیر معمولی بات ہے ۔ کہیں کوئی گڑبڑ ہے ۔ اور وہ اپنے اس احساس سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہی تھی ۔

وہ وہاں سے اپنی دکان پر گئی ۔ دن بھر مصروفیت کے باوجود یہی خیال اسے ستاتا رہا ۔ اس شام ایک فیشن میگزین کی طرف سے ایک پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ وہ اس پارٹی میں شریک ہوئی ۔ وہاں خوش لباس لوگوں کا اژدہام تھا ۔ اس کی نظر فیشن ورلڈ کے ایڈیٹر مختار مرزا پر پڑی ۔ مختار مرزا نے اسے دیکھا تو خود ہی اس کی طرف چلا آیا ۔

" آپ کو معلوم ہے کہ ثریا نعیم کب واپس آئیں گی ؟ کتنے دن کے لئے گئی ہیں وہ ؟ " شہلا نے اس سے پوچھا ۔

" میں تو خود ان کے یہاں نہ ہونے پر حیران ہو رہا ہوں " مختار مرزا نے کہا " انہوں نے کہا تھا کہ اس پارٹی میں شریک ہوں گی ۔ بہرحال ثریا کے مزاج سے تو ہم سبھی واقف ہیں ۔ لو ... وہ نوید ظفر آگیا ۔ اس سے پوچھ لو ثریا کے بارے میں ۔ اسے یقیناً معلوم ہوگا ۔ "

شہلا ' نوید کی طرف بڑھی مگر اتنی دیر میں وہ لوگوں میں گھر چکا تھا ۔ نوید کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان ہوگی ۔ اس کے بال سیاہ تھے اور وہ عام لوگوں کی طرح لمبے بال رکھنے کا قائل نہیں تھا ۔ وہ دُبلا پتلا تھا ۔ اس کا جسم ایتھلیٹ ہونے کا تاثر دیتا تھا ۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی ۔ سنجیدہ بھی ہوتا تو مسکراتا ہوا معلوم ہوتا ۔ شہلا کو نہ جانے کیوں وہ جانا پہچانا لگا ۔ جیسے وہ پہلے بھی اس سے مل چکی ہے ۔ مگر کہاں ؟

ایک ویٹر قریب سے گزرا تو اس نے اسے روک کر کوک کی ایک بوتل اٹھالی ۔ اسی لمحے نوید اس کی طرف آگیا ۔ نوید نے اپنا تعارف کرایا تو اس کی الجھن رفع ہوئی " آپ کو شاید یاد ہوگا ' ہم چھ سال پہلے ایک فلائٹ کے دوران ملے تھے ۔ کراچی سے آنے والی فلائٹ میں ۔ "

شہلا کو وہ ملاقات یاد آئی اور تھوڑی تھوڑی وہ گفتگو بھی جو دونوں کے درمیان ہوئی تھی ۔

" نوید... سنو ' میں تمہیں کچھ لوگوں سے ملانا چاہتی ہوں " ہفت روزہ کہکشاں کی مدیر نازنین نے مداخلت کی ۔

" میں آپ کا راستہ کھوٹا نہیں کرنا چاہتی " شہلا نے آہستہ سے کہا " لیکن ایک بات پوچھنی ہے آپ سے ۔ میں نے سنا ہے کہ ثریا نعیم آپ کے لئے ایک کتاب لکھ رہی ہیں ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت وہ کہاں ہیں ؟ مجھے ان سے ملنا ہے ۔ "

" ان کے گھر کا فون نمبر ہے میرے پاس ۔ اس سے کام چل سکتا ہے ؟ "

" وہ تو میرے پاس بھی ہے ۔ بہت بہت شکریہ ۔ "

نوید ' نازنین کے ساتھ چلا گیا ۔ شہلا تھکن محسوس کر رہی تھی ۔ کچھ گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی ۔ وہ باہر نکل آئی ۔ اس نے سوچا تھا کہ پیدل ہی پارک سے گزر کر گھر جائے گی ۔ سر بھی کچھ ہلکا ہو جائے گا ۔ مگر باہر نکلتے ہی اسے ٹیکسی مل گئی اور اس نے ارادہ بدل دیا ۔

لیکن وہ بالے کے چہرے پر لہرانے والا مایوسی کا سایہ نہ دیکھ سکی ۔

○☆○

اس رات دو بجے کے قریب وہ گہری نیند سے جاگی ۔ وہ خواب دیکھ رہی تھی ۔ خواب میں وہ ثریا کے کپڑوں کی الماری کے سامنے کھڑی ملبوسات کی فہرست بنا رہی تھی ۔ اس کے ساتھ ہی اسے یاد آگیا ۔ خلش سامنے آگئی ۔ مسئلہ تھا کوٹ!

ثریا کی الماری میں گرم کپڑے جوں کے توں موجود تھے ۔ اتنی سردی میں بھی وہ گرم کپڑوں کے بغیر سفر پر نکلی تھی... اور یہ غیر معمولی بات تھی ۔

ثریا نے جمعرات کو اپنا مضمون مکمل کر کے دیا تھا ۔ جمعے کو ... بلکہ جمعے کے بعد سے اب تک اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا ۔ موسم سرد تھا ۔ پچھلے چند روز تو غیر معمولی سردی رہی تھی ۔ مری میں برف باری ہوئی تھی ۔ اور ثریا کے کپڑوں کی الماری میں تمام گرم کپڑے جوں کے توں موجود تھے ۔

○☆○

گل زمان سوئیٹر پہننے کے باوجود تھر تھرا رہا تھا ۔ وہ سوئیٹر برسوں قبل سزا سے پہلے اس کی بیوی نے بُنا تھا ۔ سوئیٹر کندھوں پر تو اب بھی ٹھیک تھا مگر ویسے لٹک گیا تھا ۔ قید کے

عرصے میں اس کا وزن بہت گھٹا تھا... بیس کے جی کچھ کم تو نہیں ہوتا۔

وہ برسوں کے بعد چہل قدمی کے لئے نکلا تھا۔ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد اسے گھر واپس جانا تھا۔ وہ لوگ اسے لینے کے لئے آنے والے تھے۔ ہوٹل جاکر انہیں لنچ کرنا تھا۔ وہ اسے اعزاز دے رہے تھے مگر اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ سترہ سال بہت ہوتے ہیں۔ تخت و تاج تو آدمی کا ایک دن بھی انتظار نہیں کرتے۔

نصیر کو بھی اس کے ساتھ ہی سزا ہوئی تھی۔ سزا بھی ایک تھی۔ مگر نصیر کو صرف چھ سال بعد رہائی مل گئی تھی۔ اب وہ بادشاہ تھا... ڈرگ مافیا کا چیف۔ اور گل زمان نے اس کے بعد بھی تقریباً بارہ سال قید میں گزارے تھے۔

ان بارہ برسوں کے لئے وہ آفتاب ضمیر کا شکر گزار تھا۔

گل زمان نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ اتنی طویل قید کے بعد کھلا آسمان کتنا اچھا لگتا ہے' یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ جس وقت آدمی کے پاس آزادی سمیت سب کچھ ہوتا ہے' اس وقت کھلے آسمان کی' تازہ ہوا کی' دھوپ کی' پھولوں اور سبزے کی اور چاند ستاروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ خود آزادی کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ چیزوں کی اہمیت کا تو اس وقت علم ہوتا ہے جب وہ چھن جاتی ہیں۔

اس کی زبان پر اور حلق میں اب تک کڑوی گولیوں کا ذائقہ موجود تھا۔ اس کے بچوں کا دعویٰ تھا کہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ دعویٰ اپنی جگہ مگر درحقیقت اس کا وجود ان کے لئے باعثِ شرمندگی و تحقیر تھا۔

وہ چہل قدمی کے بعد گھر پہنچا تو کار اس کی منتظر تھی۔ بنارسی ڈرائیو کررہا تھا۔ سفر خاموشی میں کٹا۔ جانی پہچانی سڑکیں بھی اجنبی لگ رہی تھیں۔ گل زمان نے کھڑکی کی طرف سے منہ پھیرا اور نشست گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

ہوٹل اب بھی ویسا ہی تھا۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ فرق تھا تو بس لوگوں کے رویوں میں تھا۔ حالانکہ ان سب نے اسے گھیر لیا۔ بہت احترام اور محبت سے ملے لیکن ان کی مسکراہٹیں مصنوعی تھیں۔ اور وہ ان جھوٹی مسکراہٹوں کی نقاب کے پیچھے حقارت سے سکوڑے ہوئے ہونٹ دیکھ سکتا تھا۔

ہوٹل کا مالک اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا۔ گروہ کے تمام لوگ کھانا کھانے بیٹھے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد گل زمان کو اپنے سینے میں جلن کا احساس ہوا۔ برسوں کے بعد اس نے اتنی بھاری غذا کھائی تھی۔ جبکہ معدہ اس کا عادی نہیں رہا تھا۔

"ہاں... اب بتاؤ" اس نے تحکمانہ لہجے میں نصیر سے کہا۔ "تمہارے دماغ پر کیا بوجھ ہے؟"

نصیر مسکرایا "بے حد احترام کے ساتھ میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ تم اس خبیث کے بارے میں کس انداز سے سوچتے ہو۔ ہوا یہ ہے کہ بابر نے اس کی بیٹی کو ختم کرانے کے لئے کانٹریکٹ دے دیا ہے۔ میرے خیال میں یہ تمہارے لئے ایک تحفہ ہے۔"

گل زمان تو اچھل پڑا۔ اس نے میز پر پوری قوت سے گھونسا مارا "احمقو.... بے وقوفو" وہ دہاڑا "کینسل کرو اس کانٹریکٹ کو۔"

نصیر کے چہرے کے رنگ بہت تیزی سے بدلے۔ پہلے خوف زدگی تھی۔ پھر اس کی جگہ تعلق خاطر نے لی اور آخر میں صرف جذبۂ ترحم رہ گیا "زمان... تم جانتے ہو' یہ ناممکن ہے" اس نے آہستہ سے کہا "کانٹریکٹ تو کوئی بھی کینسل نہیں کرسکتا....."

○☆○

منگل کی صبح نعیم ملک چار گھنٹے کی نیند کے بعد بیدار ہوا تو اس کا حال بہت تباہ تھا۔ اس چار گھنٹے کی نیند کے دوران بھی وہ پریشان کن خواب دیکھتا رہا تھا۔ وہ بار بار ثریا کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ شدید غصے کے عالم میں اس کی اُبلی ہوئی آنکھیں' وہ زہریلی مسکراہٹ جو اس نے بالآخر اس کے ہونٹوں سے نوچ کر پھینک دی تھی۔

جمعرات کی شام جب وہ ثریا کے فلیٹ پر اس سے ملنے پہنچا تھا تو اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کی تصویر پرس سے نکال کر ثریا کو دی تھی اور التجائیہ لہجے میں کہا تھا "انہیں دیکھو ثریا' انہیں دنیا میں کوئی مقام دینے کے لئے مجھے پیسہ درکار ہے۔ وہ پیسہ بھی جو میں تمہیں دیتا ہوں' جس کی تمہیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ پلیز... اب مجھے معاف کردو۔"

ثریا نے تصویر کو بڑے غور سے دیکھا تھا "انہیں میری اولاد ہونا تھا" یہ کہہ کر ثریا نے تصویر اسے واپس دے دی تھی۔

نعیم کے معدے میں اینٹھن ہونے لگی۔ پانچ تاریخ کو اسے نان نفقے کا چیک دینا ہوتا تھا اور اگلے روز پانچ تاریخ تھی۔ سوال یہ تھا کہ کیا وہ چیک روکنے کی جرأت کرسکتا ہے؟ وہ بستر سے اٹھا اور برابر والے کمرے میں گیا جہاں حسابات کے رجسٹر وغیرہ رکھے رہتے تھے۔

ثریا کے چیک کے بارے میں وہ فیصلہ نہیں کرپارہا تھا۔ فرزانہ اس کے لئے چائے لے کر آئی۔ اگرچہ وقت نے فرزانہ سے نرمی اور محبت کا ہر رنگ چھین لیا تھا مگر اس وقت وہ پرانی والی فرزانہ لگی۔ اس نے نعیم کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا "چیک بک سامنے رکھے بیٹھے ہو عادت کے مطابق۔ مگر خدا کا شکر کہ اب ثریا کو کچھ نہیں ملے گا۔ اب ہم آزادی سے سانس لے سکیں گے۔ سنو... بہت دن ہوگئے ہیں۔ آج کہیں گھومنے چلیں گے۔ ٹھیک ہے؟"

نعیم کو اپنے پیٹ میں گرہیں پڑتی محسوس ہوئیں "مجھے

ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں ثریا اپنا فیصلہ نہ بدل دے " اس نے بڑی مشکل سے کہا " میرا مطلب ہے ' وہ تحریری طور پر تو نان نفقہ کی وصولی سے دست بردار نہیں ہوئی ہے۔ کیا خیال ہے ' میں اسے معمول کے مطابق چیک نہ بھیج دوں؟ وہ چیک واپس کرے گی تو یہ زیادہ بہتر ہوگا..." اس کی آواز گھٹ گئی۔ اس کے بائیں کندھے پر زوردار تھپڑ پڑا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فرزانہ کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ چہرے پر دیوانگی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چہرے کا تاثر بدلا اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں " سوری ڈیئر۔ نعیم.... مجھے معاف کردو۔ لیکن اس بار میں ٹوٹ گئی ... " فرزانہ کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے سیدھی ہوئی " لیکن نعیم... خدا کی قسم ' اب اسے ایک پائی نہ دینا۔ اس کے لئے ہرگز چیک نہ لکھنا۔ اگر وہ اپنے لفظوں سے پھری تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے ختم کردوں گی "

○☆○

بدھ کی صبح شہلا نے باپ کو بتایا کہ وہ ثریا نعیم کی طرف سے فکرمند ہے " جمعرات کو اس نے اپنا مضمون ایڈیٹر کو دیا۔ اس کے بعد سے وہ غائب ہے۔ اور موسم بے حد سرد ہے۔ مری میں برف باری بھی ہوئی ہے ...."

" تم تو محکمۂ موسمیات ہوتی جارہی ہو " آفتاب ضمیر بولے۔

" دیکھئے ... بات یہ ہے بابا کہ میں ثریا کی کپڑوں کی الماری سے اسی طرح واقف ہوں جیسے اپنے ہاتھ کی لکیروں سے۔ میرے لئے یہ بات پریشان کن ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی گئی ہے ' گرم کپڑے ساتھ لے کر نہیں گئی۔"

" یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو کسی دکان پر کوئی سوئیٹر' کوئی جیکٹ پسند آگئی ہو اور اس نے خرید لی ہو۔"

شہلا کو بے وقوف بننے کا احساس ہونے لگا " ممکن ہے۔ یہی تو فرق ہوتا ہے ایک عام آدمی میں اور پولیس افسر میں "

اس نے لباس تبدیل کیا اور دکان پر جانے کے لئے نکلی۔ اس دوران وہ یہ فیصلہ کرچکی تھی کہ ثریا نے کہیں سے کوئی سوئیٹر' کوئی جیکٹ نہیں خریدی ہوگی۔ اس یقین کی کوئی وجہ تو نہیں تھی مگر اسے اس بات پر پختہ یقین ہوگیا تھا۔

○☆○

ساجد دفتر سے اپنی خالہ کے فلیٹ واپس آیا تو ایک خوشگوار حیرت اس کی منتظر تھی۔ فلیٹ صفائی کے بعد ایک دم چمک اٹھا تھا۔ جہازی سائز کا بیڈ چادروں اور تکیوں کے غلافوں کی تبدیلی کے بعد بہت اچھا لگ رہا تھا۔

اس نے چائے کا پانی ہلکی آنچ پر رکھا اور خود باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم میں صاف تولیہ بھی سلیقے سے لٹکا ہوا تھا۔

بجائے

ایک صاحب اپنے دوست کی موت پر تعزیت کے لئے پہنچے اور دوست کی حسین بیوی کو سوگوار بیٹھا دیکھ کر بولے " مجھ سے آپ کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ کاش میں اپنے مرحوم دوست کی جگہ لے سکتا۔"

دوست کی بیوی بولی " بہت مشکل ہے ' کفن دفن کرنے والے اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے "

اچانک اسے رقم کا خیال آگیا۔ اس نے سوچا ' کہیں صفائی کرنے والی کو رقم کا پتا تو نہیں چل گیا۔

یہ خیال آتے ہی اس نے نہانے کے عمل کو مختصر کیا ' جلدی سے تولیہ لپیٹ کر باہر نکلا اور نشست گاہ کی طرف لپکا۔ سو کا نوٹ اس نے قالین کے نیچے آرام کرسی کے پاس دبایا تھا۔ اس نے چیک کیا۔ نوٹ اب بھی وہاں موجود تھا۔

ثریا خالہ بے وقوف تھیں۔ وہ کبھی چھپائے جانے والے نوٹوں کا حساب نہیں رکھتی تھیں۔ اسی لئے ہر ماہ دو چار نوٹ پار کرلئے جاتے اور انہیں پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ گزشتہ دو سال سے ساجد اسی لوٹ کے مال سے کام چلا رہا تھا۔ دو ایک بار خالہ نے اس پر چوری کا الزام بھی لگایا تھا لیکن وہ خالہ کو اپنی معصومیت کا یقین دلانے میں بالآخر کامیاب ہوگیا تھا۔

آخری ملاقات میں خالہ نے کہا تھا کہ اسے جمعے کو ان کا ایک کام کرنا ہے اور وہ اسے اس کا صلہ بھی دیں گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا... تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے اپنے اخراجات کا حساب کتاب رکھنا شروع کردیا ہے۔

چائے کی پیالی لے کر ساجد ' خالہ کی میز پر جا بیٹھا۔ اس نے بڑے سلیقے اور ترتیب سے خالہ کے کاغذات کا جائزہ لیا۔ گتّے کے ایک فولڈر پر " امپورٹنٹ " لکھا ہوا تھا۔ اس نے فائل کی ورق گردانی شروع کی تو اس کا چہرہ جیسے خون سے ... ہر رنگ سے محروم ہوگیا۔ ثریا خالہ اس عرصے میں بہت کچھ کرتی رہی تھیں۔ انہوں نے بہت سی زرعی زمین خریدی تھی۔ ایک صنعتی ادارے میں سرمایہ کاری الگ تھی۔ اور دس لاکھ کی بیمہ پالیسی!

پھر اسی فائل میں اسے وصیت نامہ بھی نظر آگیا۔ وصیت پڑھنے کے بعد اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ ثریا خالہ کے پاس جو کچھ بھی تھا ' اس کا وارث انہوں نے اسے بنایا تھا... ساجد احمد کو۔

اس نے کاؤچ پر اپنا بستر لگایا۔ ایش ٹرے خالی کی اور خالہ کے نام ایک رقعہ لکھا........

پیاری خالہ'

آپ شاید کسی غیر متوقع دورے پر نکل گئی ہیں۔ مجھے مکان خالی کرنا پڑ گیا ہے۔ نیا مکان ملنے تک اگر میں آپ کی کاؤچ پر سو تا رہوں تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گی نا؟ امید ہے کہ آپ اپنے غیر متوقع ٹرپ سے لطف اندوز ہو رہی ہوں گی۔

آپ کا محبت کرنے والا بھانجہ

ساجد احمد

○☆○

گل زمان پریشان تھا۔ وہ اپنی اسٹڈی میں ٹہل رہا تھا۔ نصیر نے اس کی جگہ لے لی تھی لیکن یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ نصیر اس کا اہل نہیں ہے۔ گل زمان میں یہ قدرتی صلاحیت تھی کہ پولیس کا آدمی کسی بھی روپ میں ہو' وہ اسے پہچان لیتا تھا۔ گروہ کے ساتھ لنچ کے دوران اس نے ایک چہرہ دیکھا تھا اور بری طرح چونکا تھا۔

"کچھ نئے چہرے بھی نظر آرہے ہیں" اس نے نصیر سے کہا تھا۔

"چیف... سترہ سال کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا" نصیر نے جواب دیا اور پھر مشکوک چہرے والے کا تعارف کرایا "یہ کمال ہے' ہمارا نیا ممبر۔"

اور وہ نیا چہرہ کمال' گل زمان کے لئے خلش بن گیا۔ دوسری طرف کانٹریکٹ کا مسئلہ بھی کچھ کم سنگین نہیں تھا۔ اگر ایس پی آفتاب کی بیٹی کو کچھ ہو جاتا تو شک اسی پر کیا جاتا۔ اس کے ہوتے ہوئے یہ خیال کسی کو نہ آتا کہ یہ اس گھٹیا درزی بابر کی حرکت ہو سکتی ہے۔ یہ بات نہیں کہ گل... اس سے ڈر ہو۔ وہ ایک مضبوط اور منظم گروہ کا سرغنہ... لیکن سترہ سال کی قید نے اسے بدل دیا تھا۔ امن اور سکون کی اہمیت اس پر واضح ہو گئی تھی۔ وہ اب اپنی باقی زندگی سکون سے گزارنا چاہتا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مزید خون بہے۔ وہ تو جیل میں آفتاب کی بیوی خدیجہ کے قتل کی خبر سن کر حیران ہوا تھا۔ کیونکہ اس نے آفتاب کو دھمکی ضرور دی تھی مگر اس کی بیوی اور بیٹی کو نقصان پہنچانے کا سوچا بھی نہیں تھا۔

وہ انہی خیالات میں الجھا ٹہلتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ شہلا کے قتل کا کانٹریکٹ کینسل نہیں ہو سکتا۔ یہ مجرموں کی دنیا کا غیر لچک دار اصول تھا۔ کانٹریکٹ تو سفلی عمل کی طرح ہوتے ہیں۔ جیسے ایک معمولی سی غلطی سے عمل عامل پر لوٹ آتا ہے' ویسے ہی کانٹریکٹ واپس لینے کی صورت میں خود پارٹی پر الٹ آتا ہے۔

وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر نصیر کو پولیس کے اس ایجنٹ کی طرف سے خبردار تو کر سکتا تھا جو کمال کے نام سے ان کی صفوں میں گھس آیا تھا۔

اس نے ریسیور اٹھایا' نصیر کا نمبر ملایا اور نصیر کو اپنے یقین سے آگاہ کر دیا مگر ریسیور رکھتے ہی اسے جھٹکا لگا "یہ میں نے کیا کیا؟" وہ بڑبڑایا "وہ ایجنٹ ہی تو گواہی دیتا کہ شہلا کے قتل میں میری مرضی شامل نہیں تھی۔ بلکہ میں نے تو اس کی مخالفت کی تھی... اسے رکوانے کی کوشش کی تھی۔

مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

○☆○

زرینہ واحد نے گھڑ سواری سیکھنے کا فیصلہ کیا تو اس کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا۔ وقت گزاری! وہ چالیس سالہ بیوہ تھی' جس کے پاس پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ شکل و صورت کی بھی وہ بری نہیں تھی۔

اخروٹی رنگت کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے زرینہ نے یاد کیا کہ پچھلے تین برسوں میں اس نے خود کو مصروف رکھنے کے لئے کیا کچھ کیا' کتنے دوست بنائے لیکن تنہائی کے اس احساس نے پیچھا نہیں چھوڑا جو اس کا مرحوم شوہر اسے دے کر گیا تھا۔

پگڈنڈی تک پہنچنے کے لئے اسے عمودی چڑھائی طے کرنا تھی۔ اس کا گھوڑا بار بار رکتا اور جہاں کوئی سبزہ نما شے جھانکتی نظر آتی' اس پر منہ مارتا۔ گروپ کے تمام لوگ ایک ایک کر کے آگے نکل گئے تھے۔ اور وہ ان سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے گھوڑے کے پہلو پر ٹھوکر ماری تاکہ آگے بڑھے۔

گھوڑے نے اچانک ہی سر پیچھے کو گرایا اور بہت تیزی سے پیچھے ہٹا۔ جھٹکا بہت اچانک اور شدید تھا۔ زرینہ نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا' اس نے راسیں کھینچی کیونکہ گھوڑا داہنی سمت گھوم گیا تھا۔

سیاہ پلاسٹک کے ایک ٹکڑے نے زرینہ کے رخسار کو چھوا۔ زرینہ نے سر جھکایا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے نیلے رنگ کی آستین سے نکلے ہوئے ایک ہاتھ پر اس کی نظر پڑی ہے۔

گھوڑا اندھا دھند ڈھلوان پر دوڑ رہا تھا۔ زرینہ اسے قابو میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی مگر ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ آخر میں اہمیت صرف اس بات کی رہ گئی کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ سے چپکی رہے۔ اس کوشش میں وہ کامیاب رہی۔ یہاں تک کہ چشمے کے کنارے گھوڑے نے ایک دم خود کو روکا اور وہ اڑتی ہوئی دور جا گری۔

○☆○

نعیم ملک پیدل چل رہا تھا۔ وہ شدید ذہنی اذیت اور خلفشار میں مبتلا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ٹھنسے ہوئے تھے۔ دونوں جیبوں میں ایک ایک لفافہ تھا۔ ایک لفافے میں چیک تھا۔ اس نے فرزانہ سے چھپا کر وہ چیک لکھا تھا۔ جانتا تھا کہ فرزانہ کو علم ہو گیا تو وہ قیامت اٹھا دے گی۔

دوسرے لفافے میں وہ خط تھا جو فرزانہ نے زبردستی اس سے لکھوایا تھا۔ خط میں لکھا تھا کہ اس ماہ سے وہ نان نفقہ کی ادائیگی موقوف کر رہا ہے۔ اب ثریا اس سے کبھی اس حماقت کی امید نہ رکھے۔

اب اس کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ ثریا کے لیٹر بکس میں کون سا لفافہ ڈالا جائے۔ خط والا لفافہ ڈالنے کی صورت میں وہ ثریا کے ردِ عمل کا درست اندازہ لگا سکتا تھا۔ یوں جیسے وہ اس کے سامنے کھڑی ہو اور چیک والا لفافہ ڈالنے کی صورت میں فرزانہ کا کیا ردِ عمل ہوگا' یہ بھی وہ جانتا تھا۔

امیر پلازہ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس پر لرزہ طاری ہونے لگا۔ اسی وقت اسے ایک بچہ نظر آیا جسے وہ جانتا تھا۔ وہ چوتھی منزل پر رہتا تھا۔ اس نے بلا ارادہ بچے کا ہاتھ تھام لیا "میں تمہارے ساتھ چلا چلوں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ مجھے ثریا صاحبہ کے لیٹر بکس میں ایک خط ڈالنا ہے" اس نے بچے سے کہا۔

جب سے دھماکوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا' ہر بلڈنگ میں سیکیورٹی کا خیال رکھا جانے لگا تھا۔ امیر پلازہ کا چوکیدار بھی بہت سختی برتنے لگا تھا۔ بچہ جو پہلے خوف زدہ ہوا تھا' اسے دیکھ کر مطمئن نظر آنے لگا "جی ہاں' میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ ان کے سابقہ شوہر ہیں اور آج یقیناً پانچ تاریخ ہوگی۔ ثریا آنٹی کہتی ہیں 'پانچ تاریخ کو آپ ہمیشہ تاوان لے کر آتے ہیں اور آتے رہیں گے۔"

اس پر قریب کھڑی بچی ہنسنے لگی۔

نعیم ملک کے کان گرم ہوگئے۔ گویا ثریا نے اسے پورے امیر پلازہ کے لئے مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔

"آپ صحیح وقت پر آئے ہیں" بچی بولی "آنٹی میری ممی سے کہہ رہی تھیں کہ آپ کبھی ایک دن بھی لیٹ ہوئے تو وہ آپ کو گرفتار کرا دیں گی۔ عدالتوں کے چکر کھلوادیں گی۔"

نعیم ملک لرز گیا۔ یعنی اسے چیک والا لفافہ ڈالنا تھا۔ وہ خط والا لفافہ لیٹر بکس میں ڈالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

وہ بلڈنگ کے احاطے میں داخل ہوئے۔ ایک جانب لائن سے لیٹر بکس نصب تھے۔ نعیم ملک نے ثریا کے لیٹر بکس کے سامنے رک کر جیب میں ہاتھ ڈال کر لفافہ نکالا اور اسے لیٹر بکس میں ٹھونسنے کی کوشش کی۔ لیٹر بکس کی درز بہت تنگ تھی۔

گھر واپس پہنچ کر اس نے جیب سے دوسرا لفافہ نکالا اور اس پر نظر ڈالی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ لفافہ خالی تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ حواس باختگی میں اس نے چیک اور خط دونوں اسی لفافے میں ڈال دیے تھے اور اب وہ لفافہ ثریا کے لیٹر بکس میں ڈال آیا تھا۔

○☆○

بدھ کے روز گل زمان دوپہر تک بستر میں رہا۔ رات کے مقابلے میں اس کے سینے کی جلن اور بڑھ گئی تھی۔ سلمٰی پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ وہ ڈاکٹر کو بلوائے۔

شام کو گل زمان بستر سے اٹھا۔ اس کا جسم پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ بیڈ کے سرہانے کا سہارا لے کر وہ اٹھا۔ سینے کا درد کسی مہیب موج کی طرح اتار چڑھاؤ کے ذریعے اپنی قوت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اس نے تبدیل کرنے کے لئے کپڑے نکالے۔

اچانک اطلاعی گھنٹی کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد سلمٰی کی برہم آواز۔ چند لمحے بعد.... یا نجانے کتنی دیر بعد بیڈ روم کا دروازہ کھلا۔ گل زمان نے سلمٰی کے چہرے پر صدمے کا تاثر ابھرتے دیکھا.... اس کی چیخ سنی "ڈاکٹر کو بلاؤ" پھر اس نے دوسرے چہرے دیکھے۔ وہ وردی میں نہیں تھے لیکن وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ پولیس مین ہیں۔ اس نے کسی پولیس والے کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کی تھی۔ اب وہ مر رہا تھا مگر اس سلسلے میں اس سے اب بھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی تھی۔

پھر اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اس نے نصیر کو پولیس ایجنٹ کمال کی گروہ میں موجودگی سے مطلع کیا تھا۔ نصیر نے اس سلسلے میں کچھ کیا ہوگا اور پولیس سیدھی اس کے پاس دوڑی چلی آئی۔ صرف اس لئے کہ اس کی آزادی کے فوراً بعد ہی کمال بے نقاب ہوا تھا۔

"سل... ما... خدا... کی ق.... سم... میں نے.... نہیں کیا..."

... اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ شہلا کے قتل کا حکم اس نے نہیں دیا ہے۔ مگر اتنا ہی کہنے کے بعد اس کے حلق سے ایک بے معنی چیخ ابھری۔ پھر سینے میں اٹھنے والے درد نے جیسے اس کے پورے وجود کو چیر کر رکھ دیا۔

○☆○

اے ایس آئی کمال' اسپتال کے انتہائی نگہداشت کے کمرے میں تھا۔ گولیاں اس کے پھیپھڑے میں اتر گئی تھیں۔ اسے معجزہ ہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ اب بھی زندہ تھا۔

اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے اب تک کچھ بتایا ہے یا نہیں۔ وہ بولنا چاہتا تھا... بتانا چاہتا تھا۔ اس نے انہیں کانٹریکٹ کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی مگر جو کچھ بتانا چاہتا تھا' گڈمڈ ہو گیا تھا۔ وہ اپنا مافی الضمیر واضح نہیں کر سکا تھا۔

وہ کہنا چاہتا تھا کہ شہلا کے قتل کا حکم گل زمان نے یا اس کے گروہ نے نہیں' کسی اور نے دیا ہے۔

اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ یہ بات بتانا ضروری تھا۔

"آرام سے.... آرام سے..." کسی نے نرم لہجے میں کہا۔ چند لمحے بعد اس کے بازو میں ایک سوئی اتری۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ نیند کے صحرا میں پہنچ گیا' جہاں کسی خواب کی

چھاؤں میسر نہیں تھی۔

○☆○

بائی پاس سرجری کے بعد آفتاب ضمیر نے طویل چہل قدمی کی عادت اپنالی تھی لیکن شہلا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ چار مہینے سے وہ ایک ماہرِ نفسیات کے زیرِ علاج بھی ہے۔

"آپ کو ڈپریشن ہے" آپریشن کے کچھ دن بعد اس کے کارڈیالوجسٹ نے اسے بتایا تھا "بائی پاس کے بعد عام طور پر ڈپریشن پیدا ہوتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ آپ کے ڈپریشن کی کچھ اور وجوہات بھی ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ کسی ماہرِ نفسیات سے مل لیں۔"

آفتاب کو یہ آئیڈیا پسند تو نہیں آیا لیکن اس نے اس پر عمل بہرحال کیا۔ وہ جانتا تھا کہ ماہرِ نفسیات سے کچھ چھپایا نہیں جاتا۔ چنانچہ اس نے پہلی ہی ملاقات میں اپنے مسائل اور پریشانیاں کھل کر بیان کردیں۔

پھر رہائی کے چند ہی روز بعد گل زمان دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہوگیا۔ اس کی موت کے بعد اپنی اپائنٹ منٹ کے مطابق آفتاب اپنے ماہرِ نفسیات سے ملنے پہنچا تو احساسِ فتح مندی سے سرشار تھا۔

معمول کے مطابق ماہرِ نفسیات نے بھی اسے بولنے کا موقع دیا۔ سب کچھ سننے کے بعد اس نے آفتاب ضمیر سے پوچھا "تو اب آپ مطمئن ہیں کہ آپ کی بیٹی محفوظ ہے؟"

"ہاں۔ ایک ... قریب المرگ پولیس مین نے بھی یہی بتایا ہے کہ شہلا کی موت کے لئے کوئی کانٹریکٹ نہیں کیا گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ضرور ہوئی ہوگی۔ دوسری طرف گروہ والے ویسے بھی گل زمان سے پیچھا چھڑاتے۔ موت نے ان کے لئے اس مسئلے کو بالکل آسان کردیا۔"

"یعنی گل زمان کی موت نے آپ کو اس خوف سے آزاد کردیا، جو گزشتہ سترہ سال سے آسیب بن کر آپ سے چمٹا ہوا تھا۔ اب آپ کے خیال میں آپ کی زندگی بدل جائے گی؟"

○☆○

چالیس منٹ بعد آفتاب ماہرِ نفسیات کے مطب سے نکلا تو اس کے قدموں میں وہ تیزی، وقار اور خود اعتمادی تھی جو کبھی اس کی شخصیت کا خاصّہ ہوتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جسمانی طور پر وہ پوری طرح سنبھل چکا تھا۔ دوسرے اب شہلا کی طرف سے بے فکری ہوگئی تھی۔ لہٰذا اب وہ نارکوٹکس والوں کی پیش کردہ جاب قبول کرسکتا تھا۔ اس پیشکش کے بارے میں اس نے شہلا کو اب تک نہیں بتایا تھا۔ اس جاب کے دوران اسے زیادہ وقت کراچی میں گزارنا پڑتا۔ پہلے وہ شہلا کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا مگر اب شہلا محفوظ تھی۔

اب ایک مسئلہ اور تھا۔ شہلا کی شادی۔ لیکن اس سلسلے میں وہ شہلا پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا۔ بس اس کا جی چاہتا تھا کہ کسی بہت اچھے شخص سے شہلا کی شادی ہوجائے۔ یوں اس کی زندگی کی تکمیل ہوجاتی۔ زندگی کے باقی دن وہ بغیر کسی بوجھ کے ہنسی خوشی گزار لیتا۔

وہ پیدل ہی چلتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ شہلا آج کچن میں بہت مصروف ہوگی۔ آج پرانے دوست یکجا ہورہے تھے۔ صابر اور جمال کو رات کے کھانے پر اس کے گھر آنا تھا۔ میوزیم کے قریب سے گزرتے ہوئے اچانک اس نے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ اگلے ایک گھنٹے کے دوران وہ مُردہ تہذیبوں کی بچی کچھی نشانیوں کے درمیان سانس لیتا رہا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسے گھر پہنچنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ میوزیم تو صرف ایک بہانہ تھا۔ درحقیقت وہ اس جگہ سے گزرنا چاہتا تھا جہاں خدیجہ موت سے ہمکنار ہوئی تھی۔ چار پانچ مہینے میں ایک بار وہ یہاں ضرور آتا تھا.... ایک مقدس فرض سمجھ کر۔

وہ پارک میں داخل ہوا اور مسطح قطعۂ زمین کے قریب جارکا؛ جہاں خدیجہ کی لاش پائی گئی تھی۔ یہ بھی عجیب بات تھی، خدیجہ دفن کہیں اور کی گئی تھی مگر وہ ہمیشہ اس طرح یہاں آتا تھا، جیسے خدیجہ کا جسم یہاں موجود ہو۔

وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں تھے۔ آج پہلی بار اس اذیت ناک مقام پر کھڑے ہوکر اسے زخم بھرنے کا احساس ہورہا تھا "خدیجہ ... تمہارے لئے تو میں کچھ نہ کرسکا مگر اب شکر کا مقام ہے کہ ہماری بیٹی تو محفوظ ہے۔"

○☆○

بابا نے ثریا کی الماری میں تمام گرم کپڑوں کی موجودگی کے سلسلے میں سادہ اور نہایت قابلِ قبول وضاحت کردی تھی۔ مگر شہلا کی بے چینی دور نہیں ہوئی تھی۔ جس وقت بابا نے کہا کہ ممکن ہے، ثریا نے کسی دکان سے نیا سوئیٹر، کوٹ یا جیکٹ خریدلی ہو تو شہلا کو بے وقوفی کا احساس ہوا تھا۔ مگر وہ کام پر پھر بھی پوری طرح توجہ نہیں دے سکی۔ اسے بیلا کا خیال آیا۔ اس وقت بیلا کو یقیناً آرٹس کونسل میں ہونا تھا۔ وہ اپنے فاضل اوقات میں کسی "چانس" کی امید میں وہیں دھری رہتی تھی۔

شہلا نے آرٹس کونسل کا نمبر ملایا۔ چند ہی لمحے بعد وہ بیلا سے بات کررہی تھی۔ بیلا نے فوراً ہی حامی بھرلی کہ وہ اسے ثریا کے فلیٹ میں لے چلے گی۔ طے یہ پایا کہ دونوں آدھے گھنٹے بعد امیر پلازہ میں ملیں گی۔

ثریا کہاں ہے، اس سوال کا جواب صرف ثریا کی اپائنٹ منٹ بک ہی دے سکتی تھی۔ فلیٹ میں اور تو کوئی کام کی چیز نظر نہیں آئی۔ شہلا نے ثریا کا ملاقاتوں کا پروگرام ایک کاغذ پر نقل کیا اور بیلا کے ساتھ فلیٹ سے نکل آئی۔

دکان پہنچ کر اس نے اپنے آفس کا دروازہ اندر سے بند کیا اور چند فون کالز کیں۔ سب سے پہلے اس نے مختار مرزا کو فون کیا لیکن وہ کسی سیمینار میں گیا ہوا تھا۔ پھر اس نے نوید ظفر کا نمبر ملایا۔ وہ اس وقت ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھا۔ شہلا نے اس کی سیکریٹری کو اپنا نمبر دیا اور پیغام چھوڑا کہ وہ فرصت ملتے ہی اسے فون کرلے۔ پھر اس نے ان ڈیزائنرز کو ایک ایک کرکے فون کیا، جن کے نام ثریا کی اپائنٹ منٹ بک میں موجود تھے۔ پہلے اس نے جن تین ڈیزائنرز کو فون کیا انہوں نے بتایا کہ انہیں ثریا سے ملے ایک ہفتے سے زیادہ ہوچکا ہے۔

فہرست میں اگلا نام جمال آفاقی کا تھا۔ وہ موجود نہیں تھے۔ لیکن اس کی شہلا کو پروا بھی نہیں تھی۔ انہیں تو آج رات کے کھانے پر اس کے گھر آنا تھا۔ اس کے بعد بابر کا نام تھا۔ ہچکچاہٹ کے باوجود شہلا نے اس کا نمبر ملایا "مجھے ثریا نعیم کو تلاش کرنا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے" اس نے لہجے کو بے تاثر رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ پھر ایک خیال کے تحت اس نے اضافہ کیا "ان کی اپائنٹ منٹ بک سے مجھے پتا چلا کہ گزشتہ ہفتے وہ تم سے ملی تھیں۔ یہ بتاؤ کہ انہوں نے تمہارے سامنے کہیں جانے کا ارادہ تو ظاہر نہیں کیا تھا؟"

"ثریا نعیم نے ایک مضمون کے سلسلے میں مجھ سے انٹرویو لینے کی کوشش کی تھی۔ گزشتہ ہفتے اس نے مجھے فون کیا تھا۔ مگر میں نے فون بھی ریسیو نہیں کیا" بابر کا لہجہ خشک تھا۔

شہلا کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

وہ لسٹ کا اگلا نمبر ڈائل کرنے والی تھی کہ اس کے اپنے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

فون نوید ظفر کا تھا۔ اسے یہ بتانا کہ وہ ثریا کی طرف سے اس لئے فکرمند ہے کہ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ اپنے ملبوسات لینے نہیں آئی' شہلا کو بے حد عجیب سا لگا۔ چنانچہ اس نے کہا "آپ مصروف تو بہت ہوں گے مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے آدھا گھنٹہ دے دیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو۔"

"ایک بجے مجھے اپنے ایک مصنف کے ساتھ لنچ کرنا ہے۔ ایسا کریں آپ تین بجے میرے آفس پہنچ جائیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

○☆○

سدا بہار پبلی کیشنز دراصل نوید ظفر کے سدا بہار ڈائجسٹ سے موسوم تھا۔ نوید ظفر کی بے پناہ محنت نے سدا بہار ڈائجسٹ کو کامیابی اور اشاعت کے اعتبار سے ملک کا سب سے بڑا پرچا بنادیا تھا۔ ڈائجسٹ کی کامیابی کے بعد نوید ظفر نے کتابیں چھاپنے کا ادارہ بھی قائم کرلیا تھا۔ وہ ادارہ عام طور پر خسارے میں جاتا تھا مگر اس سے نوید کے ایک جذبے کی حُرمت وابستہ تھی۔ وہ اچھی کتابیں اچھے انداز میں شائع کرنا' لوگوں تک پہنچانا چاہتا تھا اور اس کے لئے اسے نقصان بھی گوارا تھا۔ سدا بہار ڈائجسٹ نے اسے جو استحکام عطا کیا تھا' اس کے زور پر وہ ایک حد تک نقصان اٹھا سکتا تھا۔

سدا بہار ڈائجسٹ کے دفاتر پریس پلازہ کے دو فلورز کو گھیرے ہوئے تھے۔ نوید کا سیکریٹری اسے فوراً ہی نوید کے کمرے میں لے گیا۔

"چائے پئیں گی یا کولڈ ڈرنک منگواؤں؟" نوید نے پوچھا۔

"چائے منگوالیں" شہلا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ اس نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا ہے۔

چائے کے بعد شہلا نے نوید کو ثریا کے بارے میں بتایا "بابا مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں کہ میں فضول پریشان ہو رہی ہوں" اس نے کہا "لیکن مجھے رہ رہ کر احساس ہو رہا ہے کہ خدانخواستہ ثریا صاحبہ کو کچھ ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے' وہ آپ کے ادارے کے لئے جو کتاب لکھ رہی ہیں' اسے انہیں چھ ماہ میں مکمل کرنا ہے۔"

"نہیں' یہ بات نہیں" نوید بولا "ثریا نے مجھ سے کہا تھا کہ فیشن کے بارے میں ایک مضمون لکھنے کے دوران ممکن ہے' انہیں کچھ ایسی معلومات حاصل ہوجائیں جو فیشن کی دنیا کو ہلا کر رکھ دیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اگر ان معلومات کی بنیاد پر وہ کوئی کتاب لکھیں تو کیا میں اسے چھاپوں گا ....اور چھاپوں گا تو ایڈوانس کتنا دوں گا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر پچھلے ہفتے اخبار میں خبر چھپ گئی کہ میں مس ثریا نعیم کی نئی کتاب چھاپ رہا ہوں اور اس سلسلے میں پچاس ہزار روپے ایڈوانس دے چکا ہوں۔ وہ خبر پڑھنے کے بعد میں نے ثریا کو فون کرنے کی کوشش کی مگر بات نہ ہوسکی۔ میں نے اب تک اس خبر کی نہ تردید کی ہے نہ تصدیق۔ اگر اس کتاب میں واقعی دھماکا خیز مواد ہے تو میں پچاس ہزار ایڈوانس دیتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گا۔ پہلے تو میں اسے سدا بہار میں قسط وار شائع کروں گا۔ پھر کتابی شکل میں شائع کردوں گا۔ مجھے فخر ہے کہ یہاں' جہاں کتاب چھاپنے پر مصنفین پبلشرز کے ممنون ہوتے ہیں' ہمارا ادارہ اتنا بھاری ایڈوانس ادا کرسکتا ہے۔"

"آپ کو ان معلومات کے متعلق کچھ علم نہیں' جو بقول ثریا نعیم کے فیشن کی دنیا کو ہلا کر رکھ دیں گی؟"

"ہاں ... اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ثریا نے وضاحت نہیں کی تھی۔"

شہلا نے ایک گہری سانس لی اور اٹھ کھڑی ہوئی "میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ میرا خیال ہے' اب مجھے مطمئن ہوجانا چاہئے اور اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ بہت بہت شکریہ" اس نے نوید کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

نوید نے اس کا ہاتھ فوراً ہی نہیں چھوڑا "میں نے سنا ہے کہ شہلاز فیشن ورلڈ شہر کی خوبصورت دکان ہے۔ میں کسی دن آؤں گا آپ کے ہاں۔"

"بسرو چشم۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ خریدیں گے کچھ نہیں" شہلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ایسی بات نہیں۔ میری والدہ فیصل آباد میں رہتی ہیں اور بہت خوش لباس ہیں۔"

واپسی میں شہلا، نوید کے بارے میں سوچتی رہی۔ والدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے نوید کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔ جیسے وہ اسے بتا رہا ہو کہ اس کی دنیا میں ابھی تک عورت کا خانہ خالی ہے۔ ساتھ ہی شہلا کو یہ اعتراف بھی کرنا پڑا کہ زندگی میں پہلی بار وہ کسی مرد میں کشش محسوس کر رہی ہے۔

ٹیکسی میں سفر کے دوران وہ دھیمے سُروں میں کچھ گنگناتی رہی۔

وہ دکان پہنچی تو پتا چلا کہ بیلا نے ثریا نعیم کے فلیٹ سے فون کیا تھا اور پیغام چھوڑا تھا کہ وہ فوراً فلیٹ پر پہنچ جائے۔ شہلا نے ثریا کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا۔ پہلی ہی گھنٹی کے بعد بیلا نے ریسیور اٹھالیا۔

"کیا بات ہے؟" شہلا نے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی گڑبڑ ہی لگتی ہے" بیلا نے بتایا "بیگم صاحبہ کی عادت ہے کہ وہ سو کے نوٹ ادھر ادھر چھپاتی ہیں۔ منگل کو میں یہاں آئی تو مجھے قالین کے نیچے سو کا ایک نوٹ نظر آیا۔ آج صبح مجھے ایک نوٹ شوکیس میں اور تین نوٹ دیگر جگہوں پر ملے۔"

"تو اس میں عجیب بات کیا ہے۔ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ ثریا صاحبہ نوٹ اس طرح چھپانے کی عادی ہیں۔"

"آپ سمجھی نہیں۔ جو نوٹ آج مجھے نظر آئے، وہ منگل کے روز ان جگہوں پر موجود نہیں تھے۔"

"تمہیں یقین ہے؟"

"یقین؟ اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔"

○☆○

نعیم ملک ساڑھے چار بجے اپنے ہوٹل سے نکلا۔ اسے ثریا کے فلیٹ جانا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ فرزانہ کو پتا چلے کہ وہ وہاں گیا تھا۔ کل جب اسے پتا چلا کہ اس نے چیک اور خط ایک ہی لفافے میں رکھ دیا ہے اور وہ لفافہ لیٹر بکس میں ڈال آیا ہے تو اس کی پریشانی کی کوئی حد ہی نہیں رہی تھی۔ وہ کسی گھرے ہوئے جانور کی طرح ہو گیا تھا، جو کہیں بند ہو گیا ہو اور جسے نکل بھاگنے کا راستہ نہیں مل رہا ہو۔

اب صرف ایک امید رہ گئی تھی۔ لفافہ اس نے لیٹر بکس میں دور تک نہیں دھکیلا تھا۔ اسے یاد تھا کہ لفافے کا ایک کونا لیٹر بکس کی درز سے باہر نکلا ہوا تھا۔ وہ اسے بہ آسانی واپس کھینچ سکتا تھا۔

ثریا کے بلاک کی طرف بڑھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ ثریا کے کسی پڑوسی سے سامنا نہ ہو۔

وہ لیٹر بکس کی قطار سے کچھ دور تھا کہ تیسری منزل کی ایک کھڑکی کھلی اور ایک عورت نے جھانکا۔ جس لڑکے سے گزشتہ روز نعیم کی گفتگو ہوئی تھی، وہ عورت کے پیچھے کھڑا تھا۔

جیسے ہی عورت کی نظر نعیم پر پڑی، اس کے بیٹے نے اس سے کچھ کہا "اے... ثریا ایک ہفتے سے نہیں آئی ہے" عورت نے نعیم کو للکارا "اور پچھلی بار جو تم اس پر دہاڑ رہے تھے تو شکر ادا کرو کہ میں نے پولیس کو نہیں بلوالیا۔"

نعیم ملک پلٹا اور اندھادھند واپس چل دیا۔ وہ خط اور چیک .... سب کچھ بھول گیا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو فرزانہ آچکی تھی۔ وہ اس کا براؤن شلوار سوٹ کندھے پر ڈالے کھڑی تھی "یہ کیا کرتے پھر رہے ہو تم؟" اس نے نعیم کو دیکھتے ہی کہا "یہ تمہاری جیب میں سو روپے کا کرارا نوٹ کہاں سے آیا؟"

○☆○

زرینہ واپس ہوٹل پہنچی تو بہت افسردہ تھی۔ پھر وہی تنہائی۔ اس نے سوچا، آخر وہ مری آئی ہی کیوں۔ اس سیزن میں تو یہاں تنہائی کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔ اسے اب اس حقیقت کو قبول کر لینا چاہئے کہ واحد مر چکا ہے۔ اب وہ کبھی نہیں آئے گا اور اسے وقت سے پہلے موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ وہ خودکشی کی قائل نہیں تھی۔ لہٰذا جتنی زندگی ہے، وہ تو اسے گزارنی ہے۔ ہنس کر گزارے یا رو کر۔

کچھ دیر بعد وہ ایک نئے عزم سے سرشار ہو گئی۔ مرنے والے کے ساتھ تو کوئی بھی نہیں مر سکتا۔

وہ کپڑے بدلنے کی غرض سے باتھ روم میں گئی۔ اس نے لائٹ کے سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نیلی سی کوئی چیز اس کے رخسار کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ سوئچ کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ جیسے پتھر کا ہو گیا۔ چند لمحے بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ اس کی نیلی قمیص کی آستین تھی، جس نے اس کے رخسار کو سہلایا تھا۔

اس احساس کے ساتھ ہی خوف کچھ اور گہرا ہو گیا۔ اسے کچھ یاد آگیا۔ وہ آستین! اس آستین میں ہاتھ بھی ہو سکتا تھا۔ اسے گھوڑے کا بھڑکنا یاد آیا۔ نیلے پلاسٹک کی رخسار سے رگڑ یاد آئی اور وہ دھندلا سا...... نیلے کپڑے اور ایک ہاتھ کا لمس۔ اس وقت تو اس نے خود سے کہا تھا کہ دراصل دکھ اور تنہائی اسے پاگل کئے دے رہے ہیں، اسے وہم ہونے لگا ہے... فریب نظر ہونے لگا ہے۔

مگر اب وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ اس نے سچ مچ وہ ہاتھ دیکھا تھا۔

وہ آتشدان کے سامنے پڑی کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ پولیس کو مطلع کیا جائے یا نہیں۔ اگر جو کچھ نظر آیا تھا' فریب نظر ثابت ہوا تو اس کا مذاق بنے گا۔ پولیس الگ تنگ کرے گی۔

بہت دیر سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ فریب نظر نہیں تھا۔ اور جو ہاتھ اس نے دیکھا تھا' وہ ہاتھ جس کا بھی تھا' وہ ہر طرح کی مدد سے پوری طرح بے نیاز ہو چکا تھا۔

○☆○

"تم نے بتایا تھا کہ ثریا کا بھانجہ اس کے فلیٹ میں رہ رہا ہے" آفتاب نے پانی کی بوتل بھر کر فریج میں رکھتے ہوئے کہا "تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ثریا کے چھپائے ہوئے چند نوٹ اس نے بطور قرض لئے ہوں اور بعد میں لوٹا دیے ہوں۔ یہ کوئی ناممکن بات ہے نہ غیر معمولی۔"

ایک بار پھر آفتاب کا استدلال بے حد منطقی اور معقول تھا۔ پہلے گرم کپڑوں کے بغیر گھر سے نکلنے کے سلسلے میں اس نے ایک مضبوط امکان ظاہر کیا تھا اور اب سو کے نوٹوں کے سلسلے میں بھی اس کی دلیل جان دار تھی۔

شہلا کو اپنے بے وقوف بننے کا احساس ہونے لگا۔

شہلا نے ماں کی کھانے پکانے کی ترکیبوں والی کتاب اٹھائی اور ورق گردانی کرنے لگی۔ پھر اسکیچز والے صفحات سامنے آ گئے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس نے اسکیچز کی طرف نہیں دیکھا بلکہ صفحے پر ماں کے ہاتھ کی لکھی اضافی ہدایات پڑھنے لگی۔

بابا کچن میں آئے۔ وہ بہت اچھے اور خوش لگ رہے تھے۔ یہ بات شہلا نے ان سے کہہ بھی دی۔

"ہاں.... آج کل میں بہتر ہو رہا ہوں" آفتاب نے کہا۔ "البتہ بیکاری اب میرے اعصاب پر سوار ہو رہی ہے۔ نارکوٹکس والوں کی طرف سے مجھے بہت اچھی آفر ہوئی ہے ...مگر پھر میں یہاں نہیں رہ سکوں گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

شہلا کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ وہ باپ سے لپٹ گئی "بابا ... آپ وہ آفر قبول کر لیں۔ آپ نہیں جانتے' میں آپ کو ہر قیمت پر خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اسی وقت اطلاعی گھنٹی بجی۔ آفتاب نے دروازہ کھولا۔ جمال اور صابر دونوں ساتھ ہی آئے تھے۔ آفتاب نے ہنستے ہوئے ان دونوں کو لپٹا لیا "خدا کی قسم اس وقت تم دونوں کے آنے سے بہت خوشی ہوئی ہے مجھے۔ آج تو پرانے دن یاد آگئے" اس نے کہا۔

خوش گوار وقت دبے پاؤں گزرتا رہا۔ وہ جب بھی یکجا ہوتے تھے' وقت خوش گوار ہی معلوم ہوتا تھا۔ گفتگو مذہب سے ہوتی ہوئی سیاست تک پہنچی' اسلامی نظام اور مذہبی سیاسی جماعتوں کے رویے زیر بحث آئے۔ موجودہ سیاسی کشمکش پر گفتگو ہوئی اور پھر گل زمان کی موت کا تذکرہ چھڑ گیا۔

"اسے بہت آسان موت نصیب ہوئی۔ بستر میں سکون سے مر گیا" جمال نے سنگین لہجے میں کہا "جو کچھ اس نے تمہاری حسینہ کے ساتھ کیا' اس کے بعد اسے اتنی آسانی سے نہیں مرنا چاہئے تھا۔"

شہلا نے اپنے باپ کو بغور دیکھا۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ جب خدیجہ زندہ تھی تو آفتاب اسے چھیڑنے کے لئے "میری حسینہ" کہہ کر پکارتا تھا۔

اس کی دیکھا دیکھی جمال نے بھی یہ حوالہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ آفتاب اس سے بہت چڑتا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے اس کی کسی بے حد ذاتی چیز پر قبضہ کیا جا رہا ہو "کہو بھئی حسینہ' کیا حال ہے تمہارا؟" جمال آتا تو خدیجہ سے اس انداز میں بات کرتا۔

شہلا کو یاد تھا' ماما کی موت کے بعد تدفین سے پہلے جمال انکل نے بابا کو سینے سے لگایا تھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے "آفتاب.... یہ سمجھ لو کہ تمہاری حسینہ سو رہی ہے" انہوں نے بابا سے کہا تھا۔

اور بابا نے خشک لہجے میں کہا تھا "وہ سو نہیں رہی ہے' مر چکی ہے اور سنو جمال! آئندہ اسے اس طرح نہ پکارنا۔ یہ صرف میرا حق ہے۔"

اس دن کے بعد سے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر آج جمال انکل نے پھر وہی بھولا ہوا حوالہ دہرایا تھا۔ ڈرائنگ روم میں عجیب سی خاموشی رہی۔ جمال نے چائے کی پیالی سے آخری گھونٹ لیا اور پیالی میز پر رکھ دی۔

باتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ اس وقت ٹوٹا جب شہلا نے اعلان کیا "حضرات کھانا تیار ہے۔ آیئے اپنی مدد آپ کیجئے۔"

شہلا نے کھانے کے سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام کیا تھا۔

"یہ سویٹ ڈش ماما کی یادگار ہے" شہلا نے کہا "یہ میں نے خاص طور پر آپ دونوں کے لئے بنائی ہے" وہ جمال اور صابر سے مخاطب تھی "ان دنوں میں ماما کی کھانے پکانے کی ترکیبوں والی کتاب کی مدد سے کھانا پکانا سیکھ رہی ہوں۔ بڑا مزہ آتا ہے اس میں۔"

کھانا خاموشی سے اور ڈٹ کر کھایا گیا۔ کھانے کے بعد جمال نے برتن سمیٹنے کے سلسلے میں شہلا کا ہاتھ بٹایا۔ شہلا احتجاج کرتی رہی مگر جمال نے اس کی ایک نہ سنی "کافی بھی میں ہی بناؤں گا" جمال نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

شہلا' بابا اور صابر چچا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

جمال کچن میں کافی بنا رہا تھا۔ پھر اچانک کچن کی طرف سے برتن الٹنے کی اور جمال کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ تینوں لپکتے ہوئے کچن میں پہنچے۔ کیتلی کاؤنٹر پر اوندھی پڑی تھی۔ دو پیالیاں بھی الٹی پڑی تھیں۔ کاؤنٹر پر ابلا ہوا پانی اور کافی بہہ رہی تھی۔ خدیجہ کی کھانے پکانے کی ترکیبوں والی کتاب کافی اور پانی میں تر ہو چکی تھی۔ جمال اپنا ہاتھ سنک میں پانی کی دھار کے نیچے رکھے کھڑا سی سی کر رہا تھا۔ یقیناً اس کا ہاتھ بری طرح جلا تھا۔

پھر شہلا کی نظر برقی کیتلی پر پڑی۔ اس کا ہینڈل ٹوٹ کر لٹک رہا تھا۔

آفتاب نے لپک کر خدیجہ کی کھانا پکانے کی ترکیبوں والی کتاب اٹھائی اور اسے صافی سے خشک کرنے لگا۔ اسکیچز والا صفحہ تو بالکل تر ہو چکا تھا۔ شہلا کو اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ نظر آئی۔

"شہلا! یہ کیتلی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ یہ کب لی تھی تم نے اور کہاں سے لی تھی؟" آفتاب نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"آپ کو یاد نہیں۔ عید پر جو ہمارے گھر دعوت ہوئی تھی، اس میں ثریا نعیم بھی شریک ہوئی تھیں۔ یہ کیتلی انہوں نے دی تھی۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ گفتگو کا رخ ثریا نعیم کی طرف ہو گیا۔ شہلا نے انہیں ثریا کی گمشدگی کے متعلق بتایا۔

"اپنے تازہ ترین مضمون کے سلسلے میں وہ ہرڈیزائنو کے کان کھاتی رہی ہے" جمال نے کہا "اور ہاں.... شہلا! تم نے بابر کے خلاف جو کچھ کہا، اس نے بابر کو بڑی مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ وہ کئی طرف سے گھر گیا ہے۔ اب تم بابر کی طرف سے محتاط رہنا۔"

"میں نے تو اس کے ہاں سے خریداری ہی چھوڑ دی ہے۔" شہلا نے جواب دیا۔ پھر وہ اپیل کرنے والے انداز میں جمال انکل سے مخاطب ہوئی "میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ ثریا نعیم کا اس طرح اچانک غائب ہو جانا خالی از علت نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں، وہ صرف میری دکان سے ملبوسات خریدتی تھیں۔ اور میں نے ان کی کپڑوں کی الماری دیکھی۔ تمام گرم ملبوسات جوں کے توں الماری میں موجود ہیں۔"

جمال انکل نے کندھے جھٹک دیے "بھئی میرے خیال میں تو وہ سرپھری عورت ہے۔ اس سے کچھ بعید نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سوٹ کیس پیک کر کے چل دی ہو اور اسے خیال بھی نہ آیا ہو کہ اس نے گرم کپڑے تو لئے ہی نہیں۔ بعد میں گرم کپڑے اس نے کہیں سے بھی خرید لئے ہوں گے۔"

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد اپنی خواب گاہ میں جانے سے پہلے شہلا نے باپ کو شب بخیر کہا تو اس کی نظر کھانا پکانے کی ترکیبوں والی کتاب کے کافی سے برباد ہونے والے صفحوں پر پڑی۔ بابا نے وہ کتاب اپنی میز پر لا کر رکھ دی تھی۔

○☆○

جمعرات کی صبح نعیم شیو کر رہا تھا۔ فرزانہ اس سے کچھ کہے بغیر گھر سے نکل آئی۔ جب اس نے نعیم کی جیب سے سو کا نوٹ نکلا تھا اور اس کے سلسلے میں نعیم سے استفسار کیا تھا تو فرطِ غیظ سے نعیم کا چہرہ جیسے مسخ ہو گیا تھا۔ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ وہ چہرہ اب بھی اس کے ذہن پر نقش تھا۔ غصہ کیا وہ تو دیوانگی تھی۔ اور اس نے نعیم کو کبھی اس روپ میں نہیں دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے زبردست شاک لگا تھا۔

ان پچھلے برسوں میں نان نفقہ کے چیک کے وبال نے اس سے نعیم کے لئے ہر جذبہ چھین لیا تھا۔ بس ایک غصہ رہ گیا تھا۔ اب اس کے لئے ایک نیا جذبہ بیدار ہوا تھا۔ جذبۂ خوف! اب وہ اس سے خوف زدہ تھی۔ اس سے یا اس کے لئے؟ وہ پوری طرح نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

گزشتہ روز نوٹ کے متعلق استفسار پر نعیم کا چہرہ غصے سے چٹخا تھا۔ اس نے گھونسا بلند کیا تھا اور ایک لمحے کو فرزانہ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس پر ہاتھ اٹھانے والا ہے۔

"یہ نوٹ اس خبیث عورت نے مجھے دیا تھا" نعیم نے بتایا تھا "میں نے اس سے آزادی اور نان نفقہ کے عذاب سے نجات طلب کی۔ اس پر اس نے کہا کہ اسے میری مدد کر کے خوشی ہوگی۔ یہ کہہ کر اس نے سو کا نوٹ مجھے دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ نان نفقہ سے دست بردار نہیں ہوئی" اس پر فرزانہ نے چیخ کر کہا تھا۔

اس کے جواب میں نعیم کے چہرے پر موجود غصے کا تاثر نفرت میں تبدیل ہو گیا تھا "میرا خیال ہے، میں نے اسے باور کرا دیا ہے کہ انسان ایک حد تک ذلت اٹھا سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اور یہ بات اب تمہیں بھی سمجھ لینی چاہئے۔"

فرزانہ نے وہ رات اپنی بیٹی کے کمرے میں گزاری تھی۔ نعیم پر اسے اتنا غصہ تھا کہ وہ اس کی قربت گوارہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ صبح کے قریب اسے احساس ہوا کہ اسے غصہ صرف نعیم پر ہی نہیں، خود پر بھی تھا۔ اور جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی ذمے دار صرف اور صرف ثریا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا اور اب اس مسئلے کو نمٹ ہی جانا چاہئے۔

آج وہ ثریا سے دو ٹوک بات کرنے کی غرض سے نکلی تھی۔ یہ کام اسے برسوں پہلے کر لینا چاہئے تھا۔ اس نے ثریا کے بے شمار مضامین پڑھے تھے۔ ثریا خود کو آزادیٔ نسواں اور عورتوں کی فلاح کا علم بردار کہتی تھی۔ اب جبکہ اس کو اپنی کتاب کے لئے ایک اچھا کانٹریکٹ مل گیا تھا۔ تو وہ ایک اچھا اور آسان ہدف بن گئی تھی۔ اب نان نفقہ پر کوئی تنازعہ کھڑا ہوتا تو

اخباروں میں سب کچھ چھپتا۔ سب کو پتا چل جاتا کہ ثریا برسوں سے نان نفقہ کے نام پر اپنے شوہر کا خون ہی نہیں چوس رہی ہے بلکہ ایک عورت اور اس کی دو بیٹیوں کو زبردست نقصان پہنچارہی ہے۔ فرزانہ جانتی تھی کہ اب ثریا اس منفی تشہیر کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اسے ٹھیک طرح سے یہ دھمکی دی جائے تو وہ نان نفقہ سے دست بردار ہوجائے گی۔ ورنہ اس سے عدالت میں بات ہوگی۔

ثریا کا فلیٹ گراؤنڈ فلور کا تھا۔ داخلی دروازہ بالکل الگ تھلگ تھا۔ وہ دروازے پر کھڑی چند لمحے سن گن لیتی رہی۔ اندر سے موسیقی کی آواز آرہی تھی۔ یقیناً کوئی کیسٹ لگی ہوئی تھی۔ اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ دوسری بار اس نے بٹن دبایا تو دباتی ہی چلی گئی۔ کوئی ایک منٹ تک مسلسل گھنٹی بجتی رہی تب کہیں دروازہ کھلا۔

الجھے ہوئے بالوں والا ایک جوان شخص دروازے پر کھڑا تھا "کیا بات ہے؟" جوان شخص نے جھنجلا کر پوچھا۔ پھر اس نے اپنے رویے کو نرم کرنے کی کوشش کرڈالی "معاف کیجئے گا' میں نے بدتمیزی سے بات کی۔ کیا آپ ثریا خالہ کی دوست ہیں؟"

"ہاں۔ اور مجھے ان سے ملنا ہے" فرزانہ نے کہا اور اسے ایک طرف ہٹا کر فلیٹ میں داخل ہوگئی۔

"کیا آپ کی ان سے ملاقات طے تھی؟"

اب فرزانہ نے اپنا مکمل تعارف کرانا ضروری سمجھا "میں نعیم ملک کی بیوی ہوں اور وہ چیک واپس لینے آئی ہوں جو میرے شوہر نے تمہاری خالہ کو حال ہی میں دیا ہے۔ اور آج کے بعد تمہاری خالہ کو نان نفقہ کی رقم نہیں ملے گی۔"

میز پر خطوط کا ڈھیر پڑا تھا۔ لگتا تھا' کچھ ہی دیر پہلے لیٹر بکس سے ڈاک نکالی گئی ہے۔ خطوط کے ڈھیر پر فرزانہ کو ایک جانا پہچانا سفید لفافہ نظر آیا "یہ لفافہ میں لے رہی ہوں" اس نے آگے بڑھ کر لفافہ اٹھایا اور چاک کرکے اندر کی چیزیں نکالیں۔ انہیں دیکھنے کے بعد اس نے چیک کے ٹکڑے کرکے پھینک دیئے اور رقعہ دوبارہ لفافے میں رکھ دیا۔ پھر اس نے سو روپے کے اس نوٹ کے ٹکڑے نکالے' جسے رات نعیم نے غصے میں پھاڑ ڈالا تھا۔

"بڑے مضبوط اعصاب ہیں آپ کے" ساجد نے غصے سے کہا "جو کچھ آپ نے کیا ہے' اس کے جواب میں آپ تھانے کے چکر میں بھی پھنس سکتی ہیں۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ یہ لو" فرزانہ نے سو کے نوٹ کے ٹکڑے اس کی طرف بڑھائے "اپنی حرافہ خالہ کو یہ دینا اور کہنا کہ ان ٹکڑوں کو چپکا کر دوبارہ نوٹ بنالے اور اس سے میرے شوہر کی طرف سے کسی اچھے ہوٹل میں کھانا کھالے... آخری کھانا' کیونکہ اب اسے ہم سے ایک دھیلا نہیں ملے گا" پھر وہ ساجد کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر فلیٹ سے نکل آئی۔

باہر ایک عورت نے اسے روک لیا "میں مسز جعفر ہوں... ثریا کی پڑوسن اور میں ان کی طرف سے فکر مند ہوں۔ آپ ثریا کی سہیلی ہیں؟"

"جی ہاں" فرزانہ نے اپنا لہجہ خوشگوار رکھنے کی کوشش کی۔

"تو سنیں۔ عجیب چکر چل رہا ہے یہاں۔ گزشتہ ہفتے اس کا سابق شوہر اس سے ملنے آیا تھا۔ ان کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے پر بری طرح برس رہے تھے۔ اسی دوران میری امی کا فون آگیا۔ میں فون سے نمٹی تو ان کی جنگ ختم ہوچکی تھی۔ میں نے جانا تو مناسب نہیں سمجھا لیکن ثریا کو فون کیا۔ پر اس نے فون ریسیو نہیں کیا اور اس دن سے اب تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھی..... حالانکہ اسے دو دن سے زیادہ کہیں رکنا ہوتا ہے تو مجھے بتا کر جاتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ثریا کو کچھ ہوگیا ہے اور جو کچھ بھی ہوا ہے' اس میں اس کے سابق شوہر کا ہاتھ ہے۔ آپ ثریا کی سہیلی ہیں۔ بتائیں' میں کیا کروں' پولیس میں رپورٹ کردوں؟ مجھے تو لگتا ہے' اس کے سابق شوہر نے اسے قتل کردیا ہے۔"

○☆○

زرینہ واحد نے اصطبل کے گرد چکر لگایا۔ وہ اس راستے کی تلاش میں تھی جس پر ۴۸ گھنٹے پہلے اس کا گھوڑا بھڑک کر اسے لے بھاگا تھا۔ مگر اب وہ چکرا گئی۔ اسے تمام راستے ایک جیسے لگ رہے تھے۔

چالیس منٹ کی خواری کے نتیجے میں اس کی ٹانگیں دکھنے لگیں۔ تنگ آکر وہ واپس چل دی۔ پھر ایک جگہ وہ ٹھٹکی یہ وہی جگہ ہے جو اس دن راستے میں پڑی تھی۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ اس مقام کے بہت قریب ہے۔ ساتھ ہی اسے خوف اور دہشت کے بے پناہ احساس نے آلیا۔ اس کا دل گویا حلق میں دھڑکنے لگا۔

گھوڑے نے جو فاصلہ پانچ منٹ میں طے کیا تھا اسے وہ راستہ طے کرنے میں بیس منٹ لگے۔ وہ عمودی ڈھلوان حد خطرناک تھی۔ ذرا زور ڈالتی تو اس کے پیروں تلے سے پتھر سرک جاتے۔ ایک بار تو وہ خود کو سنبھال ہی نہ سکی اور گر پڑی۔ اس کی کلائی چھل گئی۔

مگر اب تک اسے وہ نیلی آستین کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

وہ ایک بہت بڑی چٹان کے قریب پہنچی اور کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے وہاں ٹھہر گئی۔ "مجھے وہم ہی ہوا تھا" اس نے خود سے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھنے لگی تو اس نے اپنے داہنے ہاتھ سے چٹان کا سہارا لیا اور اس کے ہاتھ کو کچھ محسوس ہوا۔ اس نے نیچے دیکھا اور چیخنے کی کوشش کی مگر اس کے

حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔ پھر اس کے حلق سے بچوں کی گریہ وزاری کی سی آواز نکلی۔ اس کی انگلیاں ایک اور ہاتھ کی انگلیوں سے مس ہوئی تھیں۔ ان انگلیوں کے ناخن بڑی نفاست سے تراشے گئے تھے اور ان پر ناخن پالش بھی بڑی نفاست سے لگائی گئی تھی۔ جہاں سے وہ آستین باہر جھانک رہی تھی، وہاں سے چھوٹے چھوٹے پتھر کھسکے ہوئے تھے۔ ان پتھروں نے کھسک کر اس ہاتھ کو راہ دی تھی۔ اور یہ وہی آستین تھی جس نے دو روز پہلے اس کے رخسار کو چھوا تھا۔ وہ پلاسٹک نہیں، کپڑا تھا جو سردی اور برف باری کی وجہ سے پلاسٹک کی طرح سخت ہوگیا تھا۔

○☆○

نعیم نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑلیا۔ جو فون کال اس نے کی، وہ اس کے ضمیر پر بوجھ بن گئی تھی۔ گزشتہ رات وہ فرزانہ پر تقریباً ہاتھ چھوڑ بیٹھتا۔ دراصل اسے ثریا کے فلیٹ کے ان آخری چند لمحوں کی یاد پریشان کررہی تھی۔ وہ لمحے جب اسے خود پر قابو نہیں رہا تھا جب اس نے.....

وہ ڈھیر ہوگیا، اس نے تکیے پر سر لٹکالیا۔ اب ہوٹل جانے کا کیا فائدہ؟ کب تک وہ یہ ظاہرداری کرے گا۔ اس نے ایک ایسا قدم اٹھالیا تھا جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس کے لئے ممکن ہے اور اب... اب تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

اس کی آنکھ لگ گئی جانے وہ کتنی دیر سویا۔ آنکھ کھلی تو فرزانہ گھر میں موجود تھی۔ وہ بیڈ پر ہی بیٹھی تھی۔ "نعیم!" وہ اسے جاگتا دیکھ کر بولی "تمہیں مجھ کو سب کچھ بتانا ہوگا۔ سب کچھ، ورنہ میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کرسکوں گی۔ مجھے بتاؤ... تم نے ثریا کا کیا حشر کیا؟"

○☆○

بابر جمعرات کی صبح دس بجے اپنے دفتر پہنچا۔ لفٹ میں اس کے ساتھ تین افراد تھے۔.. انہیں دیکھتے ہی پہچان گیا۔ وہ انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ کے آڈیٹرز تھے جو گزشتہ تین روز سے اس کی آمدنی اور اخراجات کے رجسٹر چھان رہے تھے۔

انہیں دیکھ کر اس کے دل میں شہلا آفتاب کے لئے نفرت کا طوفان اٹھا۔ یہ سب شہلا ہی کا تو کیا دھرا تھا۔ یہ اسی کی نحوست تھی۔ وہ جانتا تھا، آنے والے وقت میں اس کا بیشتر وقت اپنے دفتر کے بجائے عدالت میں گزرے گا۔

فی الوقت تو آڈیٹرز اس کے اخراجات کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جلد یا بدیر وہ سیکڑوں حسابی ہیرپھیر میں سے چند ایک پکڑلیں گے۔ پھر یہ ثابت ہوجائے گا کہ وہ انکم ٹیکس چوری کرتا رہا ہے... اور اس کے خلاف کارروائی شروع ہوجائے گی۔

اس نے صرف تین سال پہلے وہ سب کچھ شروع کیا تھا جو دوسرے برسوں سے کررہے تھے۔ اور وہ افغانوں اور بنگالیوں سے کام لے رہا تھا تو مفت تو نہیں لے رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی خدمات مروجہ اجرت سے کم اجرت پر میسر آجاتی تھیں۔ کاروبار میں اتنا ہیرپھیر تو چلتا ہی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس میں انسانی حقوق کی پامالی کا کون سا پہلو نکلتا تھا۔ مقامی لوگ نخرے زیادہ کرتے تھے، اجرت زیادہ لیتے تھے اور کام کم سے کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

وہ تو ابتدا میں دیانت داری سے کام کرتا رہا تھا۔ اپنی فیلڈ کے دوسرے لوگوں کو دیکھ کر وہ حیرت سے سوچتا کہ اتنی دولت کہاں سے آتی ہے ان کے پاس۔ یہ بات نہیں کہ اس کاروبار میں منافع ہی نہ ہو بلکہ منافع تھا اور بہت اچھا تھا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ بعض لوگوں کی طرح راتوں رات کروڑپتی بن جائیں۔

پھر اچانک اسے پتا چلا کہ دولت کا منبع کہاں ہے اور یہ جاننے کے بعد اسے افغانی اور بنگالی بچوں کا استحصال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی خفیہ گارمنٹ فیکٹریاں بند کرنے ہی والا تھا جن میں کم عمر، ضرورت مند لڑکے برائے نام اجرت پر اس لئے کام کرتے تھے کہ وہ اس ملک کے باقاعدہ شہری نہیں تھے۔ مخبری پر انہیں دیس سے نکالا بھی جاسکتا تھا۔ مگر ادھر اس نے وہ ورکشاپ بند کرنے کا ارادہ کیا اور ادھر شہلا آفتاب نے اس کے خلاف ہنگامہ کھڑا کردیا۔ پھر ثریا نعیم جان کو آگئی۔ اچھی خاصی جاسوسی شروع کردی تھی اس نے۔

بابر کو اب بھی یاد تھا۔ بدھ کی شام ثریا درّانہ وار اس کے کمرے میں گھس آئی تھی۔ لیکن اس نے بھی اس سے بات کرنے کے بجائے عملاً دھکے دے کر اسے اپنے کمرے سے نکال دیا تھا۔ ثریا باہر نکلتے نکلتے چلّائی تھی "شاید تمہیں پتا نہیں، .... تفتیش صرف تمہارے ورک شاپ کے متعلق ہی نہیں ہورہی بلکہ... انکم ٹیکس والے بھی تمہارے کاروبار کے متعلق چھان بین کررہے ہیں۔"

بابر کو اس لمحے اندازہ ہوگیا تھا کہ اسے ثریا کو روکنا ہوگا۔ وہ اسے اپنے معاملات کے متعلق زیادہ جاننے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ اس کی سیکریٹری نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "آڈیٹرز آپ سے ملنے پر مصر ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ بھیج دو انہیں۔"

آڈیٹرز اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی بابر کو پھر شہلا کا خیال ..... اور پھر شدید غصہ آیا۔ یہ جو کچھ بھی ہورہا تھا، شہلا ہی کی وجہ سے ہورہا تھا۔

○☆○

جمعرات کو نعیم ملک ہوٹل نہیں گیا۔ فرزانہ بھی گھر

پڑ رہی ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے دلدل میں پھنسے ہوئے دو افراد ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ۔ دوپہر کو فرزانہ نے سینڈوچ بنائے اور چائے بنائی "چلو.... پیٹ تو بھرو" اس نے سینڈوچ کی پلیٹ اور چائے کی پیالی نعیم کے سامنے رکھتے ہوئے کہا" اور پھر مجھے تفصیل سے سب کچھ بتاؤ... کیا ہوا تھا؟"

نعیم کی باتیں سنتے ہوئے وہ یہ سوچ کر لرزتی رہی کہ اس کا اثر بچیوں کے مستقبل پر کتنا خراب پڑے گا ۔ اس کی تمام امیدیں ڈوبی جارہی تھیں ۔ اس نے بچیوں کے لئے کیا کیا منصوبے بنائے تھے ۔ اور انہیں قابل عمل بھی بنایا تھا ۔ لیکن ان بچیوں کے باپ کو قتل کے جرم میں سزا ہوگئی تو وہ منصوبے کس کام آئیں گے؟ نعیم اب سب کچھ دُہرا رہا تھا ۔ کیسے اس نے ثریا سے التجا کی کہ اب وہ اسے نان نفقہ کی قید سے آزاد کردے ۔ اور کیسے وہ اس کا مذاق اڑاتی رہی ۔ اور کیسے ثریا نے سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا کہ بس وہ اس کی یہی مدد کرسکتی ہے ۔

"میں نے اسے گھونسا مارا" نعیم ملک نے کہا "خدا کی قسم ... مجھے خود بھی پتا نہیں تھا کہ میں کیا کررہا ہوں ۔ اس کا سر ایک طرف کو مڑا اور وہ پیچھے کی سمت گری ۔ میری تو سمجھ میں یہ بھی نہیں آیا کہ زندہ ہے یا مرگئی ۔ بہرحال وہ اٹھی تو بے حد خوف زدہ تھی ۔ میں نے اسے بتایا کہ اب اگر اس نے مجھ سے ایک دھیلا بھی مانگا تو اسے جان سے ماردوں گا ۔ وہ میرے لہجے سے اور ڈرگئی ۔ اس نے میرا مطالبہ تسلیم کرلیا ۔"

"پھر تم وہاں سے نکل آئے؟"

نعیم چند لمحے ہچکچایا "ہاں .... پھر میں وہاں سے چلا آیا ۔"

"تم نے مجھے سب کچھ نہیں بتایا ہے" فرزانہ بولی "اور میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں ۔ یہ ضروری ہے ۔ صرف اسی صورت میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں میں ۔"

نعیم ملک نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا ۔ فرزانہ کے کئی بار کے اصرار پر اس نے سب کچھ بتادیا ۔

"اوہ .... میرے خدا .... خدا کی پناہ" فرزانہ کی چیخ نکل گئی ۔

○☆○

سینڈوچ ٹونگتے ہوئے شہلا نے فیشن ورلڈ کے ایڈیٹر مختار مرزا کا نمبر ڈائل کیا ۔ اس کی درخواست سننے کے بعد مختار مرزا نے کہا "یہ کیا چکر ہے آخر؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو نوید ظفر کی سیکریٹری کا فون آیا تھا ۔ میں نے اسے بتایا کہ میں بھی ثریا کی طرف سے فکر مند ہوں اور شہلا! سچی بات یہ ہے کہ اس آرٹیکل کے ثریا کے نوٹس میں نوید کو بھجوا رہا ہوں ۔ آخر نوید پبلشر ہے ثریا کا ۔ تمہیں میں نوٹس تو نہیں دے سکتا ۔ البتہ آرٹیکل پڑھوادوں گا ۔"

ایک گھنٹے بعد شہلا ، ثریا کا تازہ ترین آرٹیکل پڑھ رہی تھی ۔ اس کی اسسٹنٹ شہناز اس کے سامنے بیٹھی تھی ۔

"اس آرٹیکل میں ثریا بیگم نے شہر کے کسی ایک ڈیزائنر کو بھی نہیں بخشا" شہلا نے کہا "ممکن ہے ، وہ اپنی تحریر سے خود ہی خوف زدہ ہو کر کہیں جا چھپی ہوں کہ معاملہ سرد پڑ جائے گا تو واپس آجائیں گی ۔ بہرحال .... میں تو اور پریشان ہوگئی ۔"

"تو کیا اس آرٹیکل کی بنیاد پر بابر ، ثریا نعیم اور فیشن ورلڈ پر کیس نہیں کرسکتا؟" شہناز نے پوچھا ۔

"دیکھو .... حقیقت سے زیادہ مؤثر دفاع کوئی نہیں ہوتا ۔ جو کچھ لکھا گیا ہے ، اس کا ثبوت بھی ہوگا فیشن ورلڈ کے پاس ۔ مجھے تو اس پر حیرت ہے کہ اس کے باوجود ثریا نے بابر کے ہاں سے سوٹ کیوں خریدا؟"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔ ایک لمحے بعد ریسپشنسٹ نے انٹر کام پر بتایا کہ نوید ظفر اس سے بات کرنا چاہتا ہے ۔

"اوکے" شہلا نے کہا ۔ اس نے فون ریسیو کرنے سے پہلے اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کردیا ۔ شہناز جو اس سے خاصی بے تکلف تھی ، اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی ۔

نوید نے اس کی آواز سنتے ہی کہا "شہلا! آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھا سکتی ہو؟"

شہلا کچھ پریشان ہوگئی ۔ اسے اپنی دھڑکنوں میں پُرکیف سی بے ربطی کا احساس بھی تھا ۔ تاہم اس نے حامی بھرلی ۔ طے یہ پایا کہ وہ دونوں شام ساڑھے سات بجے بلیو ہیون میں ملیں گے ۔

○☆○

ساڑھے چھ بجے تھے ۔ ساجد دروازہ لاک کررہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوئی اور بجتی ہی چلی گئی ۔ پہلے تو ساجد نے اسے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کیا ۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ یہ فون خالہ کا بھی ہوسکتا ہے ۔ خالہ کو غائب ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا تھا ۔ ہو... یہ غیر منطقی نہیں تھا کہ انہیں اچانک فون کرنے کا خیال آیا

وہ واپس آیا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا ۔

دوسری طرف سے کسی نے بھاری آواز اور سخت لہجے میں کہا "مجھے ثریا نعیم سے بات کرنی ہے ۔"

"وہ تو موجود نہیں ہیں ۔ میں ان کا بھانجہ ہوں ... کوئی پیغام چھوڑنا ہو تو بتادیجئے ۔"

"ہاں ، پیغام تو ہے اس سے کہنا کہ اس کا سابق شوہر سود خوروں کا مقروض ہے اور جب تک وہ اس کی جان نہیں چھوڑے گی ، تب تک وہ سود خوروں کا قرض واپس نہیں کرسکے گا ۔ اس سے یہ بھی کہنا کہ اگر اس نے نعیم کی جان نہ چھوڑی تو سود خور اسے ایک معقول سبق دینے پر مجبور ہوجائیں گے ۔ اپنی خالہ سے پوچھنا کہ اگر اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں توڑ دی جائیں تو اسے کیسا لگے گا؟" اس کے

ساتھ ہی رابطہ منقطع ہوگیا۔

ساجد نے بڑی احتیاط سے ریسیور کریڈل پر رکھا' جیسے ریسیور میں سے کسی سود خور کے برآمد ہونے کا خدشہ ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ دھمکی تھی یا مذاق۔ نظرانداز کردینے ہی میں بہتری معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

اچانک اسے شہلا آفتاب کا خیال آیا۔ شہلا' ثریا خالہ کی طرف سے فکرمند تھی۔ اسے اس کال کے بارے میں بتایا جاسکتا تھا۔ اس نے جلدی سے شہلا کا دیا ہوا کارڈ نکالا اور اس کا نمبر ملایا۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں شہلا کو سب کچھ بتادیا' پھر بولا "ہمیں خالہ کو ہر قیمت پر خبردار کرنا ہوگا۔"

ریسیور رکھنے کے بعد اسے طمانیت کا احساس ہوا۔ اس نے سابق ایس پی کی بیٹی سے رابطہ کرکے عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ شہلا کے مشورے کے مطابق اسے پولیس کو فون کرکے اس دھمکی کے متعلق بتانا تھا۔ حوالہ آفتاب کا دینا تھا۔ پولیس والے اسے سابق ایس پی آفتاب ضمیر کے حوالے سے قابل احترام جانتے۔ آفتاب ضمیر اپنے زمانے میں صرف ایس پی نہیں رہا تھا۔ وہ پولیس فورس میں اپنے اچھے اخلاق اور کردار کی وجہ سے ہر دل عزیز بھی تھا۔

اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس بار اس نے بغیر ہچکچائے فون ریسیو کیا۔ مگر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پولیس خود اسے فون کررہی تھی۔

○☆○

شہلا اور نوید ظفر بلیو ہیون کے ڈائننگ ہال میں بیٹھے تھے۔ نوید ظفر کھانے کا آرڈر دے چکا تھا۔ پھر اس نے شہلا کی طرف مڑتے ہوئے کہا "برسوں پہلے جب میں نے فلائٹ کے دوران تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو تمہیں دیکھ کر مجھے ایک انگریزی گانا یاد آیا تھا' جس کے بول تھے۔ حسین لڑکیاں ایک خوبصورت نغمے کی طرح ہوتی ہیں۔ اب بھی یہی لگتا ہے۔"

وہ دونوں ادھرادھر کی باتیں کرتے رہے۔ وہ دونوں ہی ثریا کے تذکرے سے گریز کررہے تھے۔ لگتا تھا' اس سلسلے میں دونوں کے درمیان ایک خاموش سمجھوتا طے پاگیا ہے۔ شہلا نے بھی ثریا کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

کھانے کے دوران خاموشی رہی۔ کھانے کے بعد کافی کے انتظار کے دوران ثریا کا تذکرہ نکلا۔ شہلا نے اسے ثریا کے بھانجے کی کال کے متعلق بتایا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ممکن ہے' ثریا خوف زدہ ہوکر روپوش ہوگئی ہو "میرے بابا نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں بات کی ہے۔ جلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ فون پر دھمکیاں کون دے رہا ہے۔"

نوید نے جیب سے ثریا کے تازہ ترین آرٹیکل کی کاپی نکالی۔ شہلا نے بتایا کہ وہ آرٹیکل پڑھ چکی ہے "تمہارے خیال میں یہ دھماکا خیز ہے؟" نوید نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں اسے دلچسپ اور پُرمزاح قرار دوں گی۔ اس کی گرفت اتنی ہے کہ شروع کردینے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس میں جس کے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے' اس سے میرے خیال میں پروفیشن کے تمام لوگ واقف ہیں۔"

نوید نے سر کو اثباتی جنبش دی "اگلا سوال۔ کیا اس آرٹیکل میں ایسا مواد ہے جس کے ذریعے ایک دھماکا خیز کتاب لکھی جاسکتی ہو؟"

"نہیں۔ میرے خیال میں ثریا نعیم اپنی بے پناہ صلاحیت اور بے اندازہ زورِ بیان کے باوجود اس میں جان نہیں ڈال سکیں۔"

"میرے پاس اس آرٹیکل کے وہ حصے بھی ہیں جو اشاعت سے روکے گئے ہیں۔ مگر ابھی تک مجھے انہیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے" نوید نے کہا اور بیرے کو بل کے لئے پکارا۔

○☆○

ریسٹورنٹ کے سامنے والی سڑک پر بالا' شہلا کا منتظر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فاصلہ زیادہ ہے۔ نشانہ چوک بھی سکتا ہے۔ اس لئے وہ کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ اور جب شہلا کسی مرد کے ساتھ باہر نکلی تو اس نے مزید انتظار کا فیصلہ کیا۔ وہ اسے تنہا گھیرنا چاہتا تھا لیکن اس کا موڈ خراب ہوگیا۔ یہ کام اب اس کے لئے اعصاب شکن ہوتا جارہا تھا۔ ایک دشواری موسم بھی تھا۔ موسم کی وجہ سے وہ پیدل نہیں جاتی تھی۔ ٹیکسی کرتی تھی۔ اور اسے جس احتیاط سے کام کرنا تھا وہ اس کے ٹیکسی میں سفر کی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ اب بات ہفتے پر ٹل رہی تھی۔ بالے کو نجانے کیوں یقین تھا کہ یہ قصہ گارمنٹ مارکیٹ میں اختتام کو پہنچے گا۔ اس کی چھٹی حس یہی کہہ رہی تھی۔

○☆○

ٹیکسی ضمیر ہاؤس کے سامنے رکی۔ شہلا نے اترتے ہوئے کہا "کیوں نہ ایک پیالی چائے ہمارے ساتھ بھی ہوجائے۔ میرے بابا آپ سے مل کر خوش ہوں گے۔"

نوید ظفر نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دیے اور خود بھی اتر آیا۔ "میں کفرانِ نعمت کبھی نہیں کرتا۔"

دس منٹ بعد وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ شہلا حیران تھی کہ بابا اتنے چپ چپ کیوں ہیں۔ بالآخر بات کھلی.... اور بات کھلی تو دھماکا ہوا "مری میں ایک چٹانی کھوہ سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے" آفتاب نے بتایا "اور یہ ثابت ہوگیا ہے کہ وہ ثریا نعیم کی لاش ہے۔ ثریا کے بھانجے

نے لاش شناخت کرلی ہے۔"

"انہیں قتل کیسے کیا گیا؟" شہلا کی آواز سرگوشی سے مشابہ تھی۔

"اس کا گلا کاٹا گیا تھا۔"

شہلا نے آنکھیں بند کرلیں "میں جانتی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ مجھے یقین تھا" وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بڑبڑائی۔

"تمہارا خیال درست تھا" آفتاب نے کہا "اور لگتا ہے کہ وہ قاتل کو بھی فوراً ہی پکڑ لیں گے۔ پتا چلا ہے کہ جمعرات کی شام اس کی اپنے سابق شوہر سے زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد سے کسی نے ثریا کو نہیں دیکھا۔ پولیس افسران اس کیس کے سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ لاش کو مری لے جایا گیا تھا۔ جو کپڑے وہ پہنے ہوئے ہے، اس کے لیبل اکھاڑے گئے ہیں۔ پولیس چاہتی ہے کہ تم کپڑے شناخت کرلو کہ وہ تمہاری ہی دکان کے ہیں یا نہیں۔ لیکن شہلا! میں نہیں چاہتا کہ تم ایک مقدمۂ قتل میں گواہ کی حیثیت سے پیش ہو۔"

"جی ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ مناسب نہیں ہے۔" نوید ظفر نے چائے کی پیالی خالی کرکے رکھتے ہوئے کہا۔

○☆○

فرزانہ نے صبح سات بجے اخبار میں ثریا کے قتل کی خبر پڑھی۔ وہ اٹھی اور بیڈ روم کی طرف لپکی "تم نے اسے قتل کیا تھا" وہ نعیم پر برس پڑی "اب خود ہی بتاؤ.... تم مجھ سے سچ نہیں بولو گے تو میں تمہاری مدد کیسے کروں گی؟"

"کیا... کہاں کی ہانک رہی ہو؟" نعیم ملک بوکھلا گیا۔

فرزانہ کو خیال آیا کہ وہ اخبار تو وہیں چھوڑ آئی ہے۔ وہ جاکر اخبار لائی "لو.... خود پڑھ لو۔ تم بچیوں کو سال میں تین چار بار مری لے جاتے رہے ہو۔ تم وہاں کے چپے چپے سے واقف ہو۔ اب مجھے سچ سچ بتادو، تم نے گلا کاٹا تھا اس کا؟"

ایک گھنٹے بعد نعیم ملک خوف سے مفلوج گھر سے نکلا۔ ثریا کی لاش مل چکی تھی اور اسے یقین تھا کہ پولیس سب سے پہلے اس کی طرف لپکے گی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ فرزانہ نے اسے کیا ہدایات دی ہیں۔

ہوٹل پہنچ کر اس نے باورچی سے کہا "یہ بخار میری جان کو آگیا ہے۔ پچھلے بدھ سے اب تک بیمار ہوں میں۔"

گیارہ بجے وہ کاؤنٹر پر بیٹھا۔ بارہ بجے سے گاہکوں کا رش شروع ہوگیا۔ کچھ گاہک ایسے بھی تھے، جو اس سے اچھی طرح واقف تھے۔ ایسے ہی ایک گاہک نے اس سے کہا "ملک.... ثریا کی موت کی خبر پڑھ کر بہت دکھ ہوا" مگر وہ مسکرا رہا تھا "چلو تمہاری تو جان چھوٹی عذاب سے۔ یار، آج تو کھانا مفت کھلا دو نا۔"

دو بجے تک کھانے والوں کا رش بڑی حد تک کم ہوچکا تھا کہ دو سادہ لباس والے ہوٹل میں آئے۔ ایک اے ایس آئی نواز تھا اور دوسرا ہیڈ کانسٹیبل بشیر۔ انہوں نے نعیم سے کہا۔ "تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔"

"کہاں؟"

"تھانے .... اور کہاں" ہیڈ کانسٹیبل نے ہنس کر کہا۔

○☆○

نعیم کے گھر سے نکلتے ہی فرزانہ نے ثریا کے گھر کا نمبر ملایا، فون ساجد نے ریسیو کیا۔

"مجھے تم سے ضروری ملنا ہے۔ میں آرہی ہوں" فرزانہ نے کہا اور جواب سنے بغیر فون رکھ دیا۔ دس منٹ بعد اس نے ثریا کے فلیٹ کی گھنٹی بجائی۔ ساجد نے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

"اب بتائیں۔ آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"میں تعزیت کرکے اپنا اور تمہارا وقت ضائع نہیں کروں گی۔ مجھے وہ خط چاہئے جو نعیم نے ثریا کو لکھا تھا اور میں چاہتی ہوں کہ تم اس خط کی جگہ لفافے میں یہ چیک رکھ دو" یہ کہہ کر اس نے پرس سے لفافہ نکال کر ساجد کی طرف بڑھایا۔ لفافہ کھلا ہوا تھا، ساجد نے اس میں سے چیک نکالا۔ چیک پانچ تاریخ کا تھا۔ ساجد کو وہ لفافہ یاد تھا، جس میں سے فرزانہ نے پچھلی بار چیک نکال کر پرزہ پرزہ کردیا تھا اور خط دوبارہ لفافے میں رکھ کر میز پر چھوڑ دیا تھا۔

"اور میں آپ پر یہ مہربانی کیوں کروں؟" ساجد نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ کچھ عرصہ پہلے میرے شوہر نے ثریا سے پوچھا تھا کہ وہ اتنی جائداد اور دولت کا کیا کرے گی۔ کون ہوگا اس کا وارث؟ تو ثریا نے کہا تھا کہ میرا ایک ہی رشتے دار ہے۔ سب کچھ اسے ہی ملے گا۔ میں چاہوں یا نہ چاہوں۔ اور گزشتہ ہفتے ثریا نے نعیم کو بتایا تھا کہ تم چور ہو۔ اس کے پیسے چراتے رہتے ہو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ وصیت تبدیل کردے گی۔"

"تم جھوٹ .... آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"چلو یہی سہی" فرزانہ نے سرد لہجے میں کہا "میں تو تمہیں ایک موقع دے رہی ہوں۔ جواب میں تمہیں نعیم کو ایک موقع دینا ہوگا۔ وہ تمہاری چوری اور وصیت کی تبدیلی کے سلسلے میں اپنا منہ بند رکھے گا۔ اور تم اس خط کے سلسلے میں اپنا منہ بند رکھوگے۔"

"آپ اس پڑوسن کو بھول رہی ہیں شاید جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتی ہے اور ہر عام سی بات کو سنسنی خیز بنانا جانتی ہے۔ وہ سب کو بتاتی پھر رہی ہے کہ جس روز خالہ کی نعیم صاحب سے زبردست جنگ ہوئی تھی، خالہ اسی روز سے غائب ہیں ۔ پھر کسی نے انہیں نہیں دیکھا۔"

"اس سے میری بات ہو چکی ہے۔ اس نے صرف چیخ پکار سنی تھی۔ اس کے پلے ایک لفظ بھی نہیں پڑا اور جہاں تک نعیم کا تعلق ہے، وہ اونچی آواز میں بات کرنے کے عادی ہیں اور میرا خیال ہے، تمہاری خالہ بھی بات کرتی تھی تو گلا پھاڑ کر۔"

"تو آپ بہت سوچ سمجھ کر آئی ہیں یہاں۔ ٹھیک ہے، میں وہ لفافہ لاتا ہوں" یہ کہہ کر ساجد بیڈ روم میں چلا گیا۔ فرزانہ دبے پاؤں میز کی طرف بڑھی۔ اسے سرخ اور سنہرے خنجر کا ایک کونا نظر آرہا تھا جس کے متعلق نعیم نے اسے بتایا تھا۔ اس نے جلدی سے خنجر میز سے اٹھایا اور اپنے پرس میں رکھ لیا۔ نجانے وہم تھا یا حقیقت، بہرحال خنجر اسے چپچپا محسوس ہوا تھا۔

ساجد بیڈ روم سے لفافہ لے کر واپس آیا۔ اس نے فرزانہ سے چیک لے کر لفافے میں رکھا اور لفافے میں سے نعیم کا خط نکال کر فرزانہ کو دے دیا۔ فرزانہ نے رخصت ہونے سے پہلے کہا "اگر تم نے اپنا منہ بند رکھا تو میں اور نعیم بھی اپنے وعدے کا پاس رکھیں گے۔ ہم پولیس کو نہیں بتائیں گے کہ تمہاری خالہ نے تمہیں اپنی جائداد اور دولت سے محروم رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔"

گھر پہنچتے ہی فرزانہ پر جنون طاری ہوا اور وہ گھر کی صفائی میں لگ گئی۔ ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی تھا کہ اسے خنجر سے نجات حاصل کرنی ہے۔ چنانچہ اس نے خنجر کو پرس میں سے نکالا، اسے گرم پانی سے اچھی طرح دھویا اور پھر اس پر پیتل کی پالش کی۔ اب خنجر بالکل نیا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی دھار خوفناک حد تک تیز تھی۔ دستے پر سرخ اور سنہری دھاریاں تھیں۔ وہ یقیناً قیمتی تھا۔

بارہ بجے وہ گھر سے نکلی اور ایک اسٹور پہنچی جہاں چھریاں، چاقو اور خنجر فروخت ہوتے تھے۔ وہ پوری دکان میں یونہی چاقو چھریاں دیکھتی پھری۔ خنجروں کے بکس کے قریب پہنچ کر وہ رکی۔ خوش قسمتی سے بکس میں سنہری سرخ دھاریوں والے دستے کے خنجر موجود تھے۔ اس نے دکان دار کی نظر بچا کر اپنا بیگ کھولا اور ثریا کے گھر سے جو خنجر لائی تھی، وہ اس میں رکھ دیا۔ یہ کام مشکل نہیں تھا۔ دکان دار کسی گاہک پر چوری کا شبہ تو کرسکتے ہیں لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی اپنی چیز چھوڑ کر جائے گا۔

خنجر وہاں رکھنے کے بعد وہ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔

○☆○

ثریا کی موت کی خبر پڑھتے ہی بابر کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ اس نے اپنا آخری گودام تیزی سے خالی کروایا۔ پھر اس نے فون کرکے گارمنٹ کی ایکسپورٹ ہونے والی ایک کھیپ روکنے کا حکم دیا۔ مگر اسے بتایا گیا کہ مال بندرگاہ پہنچ چکا ہے اور اب واپس نہیں لایا جاسکتا۔ اس پر اس نے ریسیور اس زور سے کریڈل پر پٹخا کہ میز تک جھنجھنا کر رہ گئی۔

چند لمحے وہ سر پکڑے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے ہوش مندی کے ساتھ سوچنے اور نقصان کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ اب وہ تجزیہ کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ ثریا کو کس حد تک درست معلومات حاصل تھیں اور کتنا وہ بلف کررہی تھی۔

اس نے اپنی سیکریٹری کو طلب کیا "دیکھو شبانہ..... دس روز پہلے ایک شام ثریا نعیم یہاں آئی تھی۔ تمہیں یاد ہے؟" اس نے پوچھا۔

شبانہ نے اسے ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس روز کام کی زیادتی کی وجہ سے میں دیر تک رکی تھی۔ آپ کے اور میرے سوا تمام لوگ چھٹی کرچکے تھے۔ میرا خیال ہے ثریا نعیم آئی تھی اور آپ نے زبردستی اسے نکال باہر کیا تھا۔"

بابر مسکرایا "تم غلطی پر ہو شبانہ۔ ثریا نے تو یہاں قدم بھی نہیں رکھا۔"

"میں سمجھ گئی" شبانہ بولی "ایک بات بتائیں۔ گزشتہ ہفتے آپ نے ثریا نعیم کی کال ریسیو کی تھی؟"

"نہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے کہا تھا، میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے اسے سے ملنے سے بھی انکار کردیا تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس نے اپنے آرٹیکل میں میرے متعلق یا میرے خلاف کیا کچھ لکھا ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔ میں سمجھ گئی۔ آپ بے فکر رہیں" شبانہ بھی مسکرادی۔

○☆○

جمال آفاقی کو دو ماہ پہلے کا وہ دن یاد آیا، جب ثریا نعیم اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ بہت تیز بولتی تھی۔ اتنا تیز کہ ایک جملہ سننے کی کوشش میں اس کے کہے ہوئے دو جملے سماعت کو صرف چھو کر گزر جاتے تھے۔

ثریا نے میز کے پیچھے آویزاں ڈیزائن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا "یہ اوریجنل ورک ہے۔"

"یعنی تم جیسی عورت بھی یہاں حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی" جمال نے جواب دیا تھا..... اور دونوں ہنس پڑے تھے۔

"بات سنو۔ اب جھوٹی عزت کا فیشن نہیں رہا ہے" ثریا نے کہا تھا "میں تمہاری عسرت کی زندگی سامنے لاکر تم پر احسان کررہی ہوں۔ صرف تم پر ہی نہیں تمام لوگوں پر۔ آج کل ان لوگوں کو بہت سراہا جاتا ہے جو فٹ پاتھ پر پلے بڑھے اور پھر محلوں کے مالک بن گئے۔"

"دیکھو ثریا! ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کے گھروں میں قالینوں کے نیچے ہر طرح کا کوڑا اور غلاظت چھپی ہوتی ہے۔ میرا مشورہ مانو تو خود کو کپڑوں' سلائی' تریائی اور ڈیزائنوں پر تنقید و تبصرے تک محدود رکھو۔ یہی تمہارا کام ہے۔ قالینوں کے نیچے گھسو گی تو دم گھٹنے سے مرجاؤ گی" جمال نے کہا تھا۔

جمال آفاقی نے اخبار اٹھایا۔ گل زمان کی تدفین کی خبر چھپی تھی۔ نیچے ایک چھوٹی سی خبر تھی۔ گل زمان کی بیوی سلمٰی نے زور دے کر کہا تھا "میرا شوہر جیسا بھی ہو' اس نے جو کچھ بھی کیا ہو لیکن خدیجہ آفتاب کے قتل میں اس کا ہاتھ ہرگز نہیں تھا۔ مرتے وقت کوئی انسان جھوٹ نہیں بولتا اور میرے شوہر نے مجھ سے کہا تھا کہ اس قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ یہ مرنے سے پہلے اس کے آخری الفاظ تھے۔ مجھے اس کے ان الفاظ پر یقین ہے اور میں ہر انسانیت نواز انسان سے التجا کرتی ہوں کہ وہ بھی مرنے والے کے آخری الفاظ پر یقین کرلے ...."

جمال آفاقی نے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھے اور کچھ دیر ساکت بیٹھا رہا۔ اسے یقین تھا کہ یہ خبر آفتاب ضمیر نے بھی بڑی دلچسپی سے پڑھی ہوگی۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ اس سلسلے میں انجان بنا رہے یا آفتاب کو فون کرے ...؟

بالآخر اس نے فون کرنے کا فیصلہ کیا۔

دوسری طرف سے آفتاب نے فوراً کہا "ہاں .... میں نے بھی پڑھی ہے وہ خبر۔"

"میرا خیال ہے' وہ اپنے بچوں کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہتا ہوگا" جمال نے رائے زنی کی "بچوں کو اور بچوں کے بچوں کو۔"

"ہاں' یہی بات ہے" آفتاب نے کہا "لیکن میرے خیال میں گل زمان جیسے لوگ بستر مرگ پر اپنی روح کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ہر جرم کا اعتراف کرلیتے ہیں۔ خیر چھوڑو' شہلا آنے والی ہے۔ اسے ثریا نعیم کے ملبوسات کی شناخت کا ناخوشگوار فرض انجام دینا ہے۔"

"کاش وہ کپڑے اس کی دکان کے نہ ہوں" جمال نے آہ بھر کر کہا "اس طرح کی پبلسٹی اسے فائدہ نہیں' نقصان پہنچائے گی اور آفتاب' شہلا سے کہو کہ محتاط رہے۔ کاروباری اعتبار سے بھی اور ویسے بھی۔ کسی دکان کے کپڑوں میں بھی کوئی شخص قتل ہوجائے تو بہت سے لوگ اس دکان سے ہی خوف کھانے لگتے ہیں۔"

○☆○

تھانے میں دو پولیس افسر شہلا' آفتاب اور نوید کے منتظر تھے۔ ان کے انداز میں احترام تھا' جیسے انہیں احساس ہو کہ وہ محکمۂ پولیس کے ایک ایسے دیانت دار اور محترم افسر کے سامنے بیٹھے ہیں جس نے پچیس سال تک واقعی عوام کی خدمت کی تھی۔

تھانے کے انچارج انسپکٹر فرید نے انہیں تفصیلات بتائیں "ثریا نعیم کی لاش تین چار مہینے تک تو دریافت نہیں ہوسکتی تھی اور اس وقت تک شناخت بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوجاتی۔ قاتل چاہتا بھی یہی تھا' اسی لئے اس نے کپڑوں پر سے لیبل کاٹ ڈالے تھے" وہ اٹھ کھڑا ہوا "شہلا صاحبہ' اب آپ زحمت کریں گی۔ میں چاہتا ہوں آپ ایک نظر لباس کو دیکھ لیں۔"

وہ انہیں ملحقہ کمرے میں لے گیا۔ پلاسٹک کے دو تھیلوں میں مسکے ہوئے خون آلود کپڑے موجود تھے۔

کپڑے خون اور مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے۔ شہلا کا جی متلانے لگا۔ مگر بابا کا ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس کرکے اسے کچھ حوصلہ ہوا' اس نے کپڑوں کا جائزہ لیا۔ اسے کسی گڑبڑ کا... سنگین گڑبڑ کا شدت سے احساس ہوا۔

"یہ کپڑا تو بابر ٹیکسٹائلز کا ہے" بالآخر اس نے لب کشائی کی۔ "مجھ سے انہوں نے جتنی خریداری کی ہے اس کی رسیدیں میرے پاس فائل میں موجود ہیں۔ میں ان کی الماری میں موجود کپڑوں کو ان رسیدوں کی مدد سے چیک کرنا چاہوں گی۔ اس صورت میں میں آپ کو یہ بتاسکوں گی کہ الماری سے کون سے کپڑے غائب ہیں۔"

"یہ بتائیں کہ وہ اس لباس کے ساتھ جیولری بھی پہنتی تھیں عام طور پر؟" انسپکٹر فرید نے پوچھا۔

"ہاں۔ ڈائمنڈ کے ایررنگ' ایک ہار اور کئی انگوٹھیاں۔"

"لیکن ہمیں زیورات نہیں ملے۔ اس کا مطلب ہے کہ ممکن ہے' قاتل نے انہیں لوٹا بھی ہو" انسپکٹر نے کہا۔

باہر نکلتے ہوئے نوید نے شہلا کا ہاتھ تھام کر پوچھا "تم ٹھیک تو ہو نا؟"

شہلا نے سر جھٹکا "کوئی بات ضرور ہے' جو میں سمجھ نہیں پارہی ہوں" اب وہ سوچ رہی تھی کہ جو وہ کچھ کہنا چاہتی ہے' کس قدر عجیب لگے گا "میں اس عورت سے ملنا' بات کرنا چاہتی ہوں جس نے لاش دریافت کی۔ وجہ تو مجھے معلوم نہیں' بس مجھے احساس ہے کہ یہ ضروری ہے۔"

"آپ کہیں تو میں ان کا تحریری بیان پڑھوادوں آپ کو؟" انسپکٹر نے کہا۔

"نہیں۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے' تمہیں اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا انسپکٹر" آفتاب ضمیر نے مداخلت کی۔

"نہیں۔ آپ ایک منٹ رکیں۔ میں ان سے فون پر بات کرتا ہوں" دو منٹ بعد وہ واپس آیا "زرینہ صاحبہ گھر پر

موجود ہیں اور وہ آپ سے بات کرنے پر رضامند بھی ہیں" اس نے کہا اور انہیں زرینہ کے گھر کا پتا لکھوا دیا۔

○☆○

زرینہ واحد اپنے ڈرائنگ روم میں آتش دان کے سامنے بیٹھی تھی "جب سے میں نے اس بے چاری کا بے جان ہاتھ چھوا ہے' سردی کا احساس چین ہی نہیں لینے دے رہا" اس نے کہا۔

زرینہ نے ان کے لئے چائے بنوائی۔ چائے کے دوران زرینہ انہیں بتاتی رہی کہ اس نے کس طرح لاش دریافت کی۔ شہلا اگرچہ پوری توجہ سے سن رہی تھی لیکن یہ خیال اسے ستائے جا رہا تھا کہ وہ کچھ مس کر رہی ہے۔ کوئی بات ہے' جو وہ سمجھ نہیں پا رہی ہے ... کوئی ایسی بات جو بالکل سامنے کی ہے اور پھر اچانک بات اس کی سمجھ میں آگئی "بیگم صاحبہ' یہ بتائیں کہ جس وقت آپ نے لاش دریافت کی' آپ نے کیا دیکھا؟"

زرینہ نے آنکھیں بند کر لیں "مجھے تو یہ ہاتھ کسی ایسے مجسمے کا سا لگا تھا جسے دکانوں کے شوکیس میں ملبوسات اور زیورات پہنا کر دکھانے کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ ہاتھ بے حد سفید تھا۔ ناخن اتنے اچھے تھے کہ اصلی نہیں لگ رہے تھے۔ جیکٹ کی آستین نیلی تھی ___ جمپر نیلا اور سفید تھا۔ اس کی آستین مسکی ہوئی تھی۔ نجانے کیوں' میں نے اسے ٹھیک کر دیا۔"

شہلا نے گہری سانس لی "یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ وہ جمپر!" اسے احساس ہو گیا کہ اسے بے وقوف ہی سمجھا جائے گا۔ وہ جمپر تھا تو اس سوٹ کے ساتھ کا لیکن جب ثریا نے وہ سوٹ خریدا تھا تو شہلا نے کہہ دیا تھا کہ اس کے خیال میں یہ جمپر اس پر نہیں جچے گا۔ اس نے اس کے لئے ایک بالکل سفید بلاؤز تجویز کیا تھا "مجھے حیرت ہے کہ ثریا نے یہ جمپر کیوں پہنا۔ یہ ان پر ذرا نہیں جچ رہا ہو گا" بالآخر اس نے کہا۔

"لیکن تم نے تو اسے پہچان لیا تھا اور تم نے ڈیزائنر کا نام بھی بتا دیا تھا" آفتاب نے مداخلت کی۔

"جی ہاں۔ میں نے بابر کا نام لیا تھا۔"

"تو پھر؟ میری سمجھ میں تو نہیں آئی تمہاری بات" آفتاب نے چڑچڑے پن سے کہا۔

"میرا خیال ہے' میں آپ کی بیٹی کی بات سمجھ رہی ہوں" زرینہ بولی "یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ثریا نعیم خود جان بوجھ کر یہ سوٹ اس طرح نہیں پہن سکتی تھیں۔"

"میں یہ بات یقین سے کہہ رہی ہوں۔ وہ ان ٹراؤزرز کے ساتھ یہ جمپر کبھی نہ پہنتیں" شہلا نے کہا اور باپ کی آنکھوں میں دیکھا' جہاں بے یقینی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ "یہ تو طے ہے تاکہ ثریا کو کہیں اور قتل کر کے مری لے جایا گیا

سولہ بچے

نیویارک کی سڑکوں پر ایک آدمی ننگا پھر رہا تھا' پولیس نے اسے پکڑ لیا اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر دیا۔ مجسٹریٹ نے اس سے پوچھا "کیا تم شادی شدہ ہو؟"

اس نے جواب دیا "جی ہاں"

مجسٹریٹ نے سوال کیا "بچے بھی ہیں؟"

وہ بولا "جی ہاں' ١٦ بچے ہیں۔"

مجسٹریٹ نے کہا "ایں؟ ١٦ بچے! تمہیں چھوڑا جاتا ہے۔ تمہیں کپڑے پہننے کی مہلت ہی کب ملی ہوگی؟"

ہے۔ کسی طرح یہ بات بھی کنفرم ہو سکتی ہے کہ انہیں یہ لباس جس میں ان کی لاش ملی ہے' قتل کے بعد تو نہیں پہنایا گیا تھا؟"

○☆○

کمال اب بھی انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں تھا۔ اس کی حالت بدستور خراب تھی۔ کبھی اس کا ذہن گہرے کوے سے ذرا دیر کے لئے ہوش مندی کی سطح پر آ جاتا۔ ایسے میں اسے عالم ہوش کے وہ آخری چند لمحے یاد آ جاتے۔ ان لمحوں میں اسے گل زمان کی آنکھیں اپنے آرپار دیکھتی محسوس ہوتی تھیں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گل زمان اس کی حقیقت جان گیا ہے۔ جان نہیں گیا تو اسے شک ضرور ہو گیا ہے۔

پھر گل زمان نے چیخ کر کہا تھا کہ کانٹریکٹ کینسل کر دیا جائے۔ اس پر نصیر نے کہا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ گل زمان نے پوچھا تھا کہ کانٹریکٹ کس کے حکم پر دیا گیا ہے۔

"کس نے دیا تھا وہ حکم؟"

کمال نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ ذہن پر زور دیتا رہا۔ بالآخر تاریکی میں پوری طرح اترنے سے ایک ثانیہ پہلے اسے یاد آ گیا .... بابر!

○☆○

نعیم ملک کا چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے پولیس اسٹیشن میں کتنی دیر روکا جائے گا اور اس کی گلو خلاصی ہو گی بھی یا نہیں۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ مزید آدھا گھنٹا گزر گیا۔ پھر پولیس والے کمرے میں آئے۔ اے ایس آئی نواز کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ اس نے سخت لہجے میں کہا "ملک صاحب! میں یہ بتا دوں کہ ہم آپ پر آپ کی سابق بیوی ثریا کے قتل کے سلسلے میں شک

کر رہے ہیں۔"
نعیم ملک نے میز پر سر رکھا اور رونے لگا۔ ہچکیوں سے اس کا پورا جسم لرز رہا تھا "مجھے وکیل کی ضرورت ہے اور یہ میرا حق ہے۔"

"حق کی بات کرتے ہو۔ یہ پاکستان ہے 'امریکا نہیں" نواز نے سخت لہجے میں کہا "بہرحال' میں تمہیں معقول آدمی سمجھتا ہوں' تمہیں تمہارا حق دلوانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

دو گھنٹے بعد نعیم کے وکیل سرور صمدانی کو نعیم سے ملنے کی اجازت ملی۔ وکیل کا بندوبست اس کی بیوی فرزانہ نے کیا تھا۔
"آپ میرے مؤکل پر باقاعدہ کوئی الزام عائد کر رہے ہیں؟"
صمدانی نے اے ایس آئی نواز سے پوچھا۔
"میری انسپکٹر سے بات ہوئی ہے۔ فی الوقت ہم کوئی الزام نہیں لگا رہے ہیں" نواز نے جواب دیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ مسٹر ملک انڈر اریسٹ نہیں ہیں؟"
نواز نے ہچکچاتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ یہ آزاد ہیں۔"
صمدانی' نعیم کو ساتھ لے کر تھانے سے نکل گیا۔
ان کے جانے کے بعد نواز نے ہیڈ کانسٹیبل کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ بڑی بے رحم مسکراہٹ تھی "بے فکر رہو جوان۔ یہ بے چارہ اپنی آزادی سے ٹھیک طرح لطف اندوز بھی نہیں ہو پائے گا کہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس کے خلاف بہت مضبوط کیس بنے گا" وہ بولا۔

○☆○

آفتاب' شہلا اور نوید کو لے کر گھر پہنچا تو ایک پیغام اس کا منتظر تھا۔ کوئی دروازے کی درز سے ایک پرچا اندر دھکیل گیا تھا۔ پیغام کے مطابق آفتاب کو فوراً ایس پی ظفر سے فون پر بات کرنا تھی۔
آفتاب نے ایس پی کا نمبر ملایا اور مختصر گفتگو کے بعد ریسیور رکھ دیا۔ ریسیور رکھنے کے بعد وہ بولا "لگتا ہے' یہ معاملہ نمٹ گیا۔ وہ اس کے سابق شوہر کو پوچھ گچھ کے لئے لائے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے پوچھ گچھ شروع کی' وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ پھر اس نے مطالبہ کیا کہ اسے وکیل سے ملنے دیا جائے۔ بس اب انہیں ایک بنیاد درکار ہے۔ پھر وہ اسے گرفتار کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔"
"میں نہیں مانتی۔ یہ اتنا آسان اور سادہ کیس نہیں ہے" شہلا نے کہا۔

باپ بیٹی بحث کرتے' دلائل دیتے رہے۔ نوید ظفر بیٹھا سنتا رہا۔ اس نے مداخلت مناسب نہ سمجھی۔ پھر نجانے کیوں وہ شہلا کی طرف سے فکر مند ہو گیا' ایسا کیوں ہے؟ میں کیوں اس لڑکی کے لئے پریشان ہوں؟ اس نے خود سے پوچھا۔ پھر جتنی سادگی سے اس نے سوال کیا تھا' اتنی ہی سادگی سے اسے اس سوال کا جواب بھی مل گیا' اس لئے کہ مجھے اس سے محبت ہے' اس نے دل ہی دل میں کہا' اس لئے کہ جہاز میں پہلی ملاقات کے بعد سے آج تک میں آگہی نہ ہونے کے باوجود اس کا انتظار کرتا رہا ہوں۔ اس کی راہ دیکھتا رہا ہوں۔

○☆○

ٹیکسی ضمیر ہاؤس کے سامنے رکی۔ وہ تینوں اترے۔ شہلا اور نامعلوم مرد دروازے کی طرف بڑھے جبکہ آفتاب ضمیر ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے ادا کرنے لگا۔ اس نے شاید بڑا نوٹ دیا تھا اور اب ٹیکسی والے سے پیسے واپس بھی لینا تھے۔
بالا سڑک کے پار ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ شراب کی بوتل اس کے پاس پڑی تھی۔ کوئی اسے دیکھتا تو نشے میں دُھت شرابی سمجھ کر نظرانداز کر دیتا۔ اس کا سر سینے پر جھکا ہوا تھا لیکن کن انکھیوں سے وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس وقت وہ شہلا کو بہ آسانی نشانہ بنا سکتا تھا۔ پھر وہ وہاں سے کھسک لیتا اور کسی کو پتا بھی نہ چلتا۔ وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالنے ہی والا تھا کہ قریب ہی کوئی دروازہ کھلا اور ایک بوڑھی عورت کتے کی زنجیر تھامے ہوئے باہر نکلی۔ کتا بالے کی طرف لپکا اور اس سے لپٹنے لگا۔ بالا بڑی بے بسی سے شہلا کو گھر میں داخل ہوتا دیکھتا رہا۔ بہترین موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ اپنی تقدیر کو کوسنے کے سوا کیا کر سکتا تھا۔

○☆○

جمعے کی صبح اے ایس آئی نواز نے فون کیا اور شہلا کو پوچھا۔ فون آفتاب نے ریسیو کیا تھا۔
"کیوں' شہلا سے کیا کام ہے تمہیں؟" آفتاب نے پوچھا۔
"ثریا نعیم کے گھر جو لڑکی صفائی کے لئے آتی ہے' اس کا پتا معلوم کرنا ہے۔"
شہلا نے نواز کو آرٹس کونسل کا نمبر دے دیا۔
پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار فون پر بیلا تھی۔
"پتا ہے شہلا باجی' مجھے گواہی دینے کے لئے تھانے بلایا گیا ہے۔ ....اب تو میں بہت مشہور ہو جاؤں گی" بیلا کے لہجے میں سنسنی تھی۔
"اچھا... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"
"ہاں... اخبار میں تصویر بھی چھپے گی میری۔"
"بہت خوب...!"
"یہ بتائیں' میں انہیں ثریا باجی کے نالائق بھانجے کے متعلق بتاؤں؟ بتاؤں کہ وہ ان کے پیسے چرا تا رہا ہے اور یہ کہ باجی نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی وصیت تبدیل کر دیں گی تو اسے ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا؟"

شہلا کو جھٹکا لگا "یہ وصیت والی بات تو تم نے مجھے نہیں بتائی تھی۔ بہرحال پولیس کو ضرور بتانا یہ بات۔"

ریسیور رکھنے کے بعد شہلا نے بابا کو یہ بات بتائی تو وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئے۔

○☆○

ساڑھے تین بجے آفتاب، شہلا، نوید اور بیلا کے ساتھ ثریا نعیم کے فلیٹ میں داخل ہوئے۔ ساجد کاؤچ پر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں رکھے تھے۔ اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا تو اس کے چہرے پر درشتی ابھر آئی۔

اے ایس آئی نواز پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا۔

"مجھے ثریا صاحبہ کی الماری کے کپڑوں کی فہرست بنوانی ہے تاکہ پتا چل سکے کہ کون سے کپڑے غائب ہیں۔ یہ کام مس شہلا کریں گی۔ اور بیلا یہ دیکھے گی کہ فلیٹ سے کوئی چیز ادھر اُدھر تو نہیں ہوئی..... یہ باقاعدگی سے یہاں کام کرتی رہی ہے۔"

شہلا نے وہ کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ دیے جو ثریا نے اب تک پہنے بھی نہیں تھے۔ اس کے بعد اس نے الماری میں لٹکے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لیا۔ ذرا دیر میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو کپڑے غائب ہیں، وہ موسم سرما کے لئے موزوں ہیں۔

پھر شہلا نے الماری سے ایک ہینگر نکالا جس پر ایک سفید بلاؤز لٹکا ہوا تھا۔ وہ بند گلے کا بلاؤز تھا جس کی آستینوں پر ہلکے نیلے رنگ کی جھالر تھی "اسی کی تلاش تھی مجھے" اس نے فاتحانہ لہجے میں کہا "سوال یہ ہے کہ ثریا نے یہ بلاؤز کیوں نہیں پہنا اور اگر وہ سوٹ اس طرح پہنا بھی تھا تو کم از کم یہ بلاؤز انہیں ساتھ لے کر جانا چاہئے تھا۔"

پھر شہلا نے ان کپڑوں کی فہرست بنائی جو الماری میں موجود نہیں تھے۔ اس کام سے نمٹ کر وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو بیلا کو میز کے پاس کھڑے دیکھا۔ وہ ڈاک ٹٹول رہی تھی۔

"وہ تو یہاں نہیں ہے" بیلا نے کہا۔

"کس چیز کی بات کر رہی ہو؟" نواز نے پوچھا۔

"سرخ اور سنہری دھاریوں کے دستے والا ایک خنجر یہاں تھا، وہ اب موجود نہیں ہے۔"

"کچھ یاد ہے، تم نے آخری بار وہ خنجر کب دیکھا تھا؟"

"ہاں۔ منگل اور جمعرات کو میں نے صفائی کی تھی۔ تب وہ یہاں موجود تھا۔"

اے ایس آئی نواز، ساجد کی طرف مڑا "جب ہم نے یہاں فنگر پرنٹس بنائے تھے، خنجر اس وقت بھی یہاں موجود نہیں تھا۔ کچھ اندازہ ہے کہ کہاں گیا خنجر؟"

ساجد نے تھوک نگلا۔ وہ جانتا تھا، خنجر لے جانے کا موقع صرف فرزانہ ملک کو ملا تھا۔ یقیناً وہی لے گئی تھی خنجر۔ اور اس نے دھمکی دی تھی کہ وہ پولیس کو بتا سکتی ہے کہ ثریا اسے وراثت سے محروم کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

مگر اب وہ کیا کرتا۔ فی الوقت تو اسے پولیس کی توجہ خود پر سے ہٹانی تھی۔ اس نے کہا "جمعرات کی شام فرزانہ ملک یہاں آئی تھی۔ اسے اپنے شوہر کا خالہ ثریا کے نام ایک خط واپس لینا تھا۔ اس کے بعد میں نے وہ خنجر نہیں دیکھا۔ آپ اس سے پوچھیں کہ اسے وہ خنجر چرانے کی کیا پڑی تھی؟"

○☆○

وکیل صمدانی، نعیم ملک کو گھر لایا۔ نعیم ملک کی صورت دیکھ کر فرزانہ کو یوں لگا جیسے وہ ہارٹ اٹیک کے بہت قریب ہو۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ان میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ آتے ہی بیڈ روم میں چلا گیا۔ ہر زاویے سے وہ ٹوٹا، کچلا ہوا انسان لگ رہا تھا۔

صمدانی کو فرزانہ سے بات کرنی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا "دیکھئے... میں فوج داری وکیل نہیں ہوں" اس نے چھوٹتے ہی کہا "اور آپ کے شوہر کو فوج داری وکیل کی... بہت اچھے فوجداری وکیل کی ضرورت ہے۔ ایک اچھا وکیل ہی انہیں بری کرا سکتا ہے۔ بری نہ بھی کرا سکے تو کم سے کم سزا کرا سکتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے، وقتی اشتعال اور پاگل پن کو بنیاد بنایا جائے تو سزا بہت ہی کم ہو جائے۔"

فرزانہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے "کیا مطلب؟ کیا نعیم نے اس کے قتل کا اعتراف کر لیا ہے؟"

"نہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اس کو گھونسا مارا تھا۔ ثریا نے خنجر اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر انہوں نے وہ بھی جھپٹ لیا اور اس چھینا جھپٹی میں ثریا کے رخسار پر زخم لگ گیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ایک شخص کی خدمات حاصل کی تھیں جس کا کام ثریا کو فون پر دھمکیاں دینا تھا۔"

فرزانہ کے ہونٹ لرزنے لگے "مجھے یہ بات کل رات معلوم ہوئی تھی۔"

وکیل صمدانی نے کندھے جھٹک دیئے "آپ کے شوہر سخت جرح کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے۔ اچھا آپ بتائیں، آپ کو یقین ہے نا کہ انہوں نے ثریا نعیم کو قتل کیا ہے۔ ہے نا؟"

"جی ہاں۔ مجھے یقین ہے؟"

وکیل صمدانی اٹھ کھڑا ہوا "ٹھیک ہے مسز ملک۔ میں آپ کے شوہر کے لئے کوئی اچھا فوج داری وکیل تلاش کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے، میں آپ کے کسی کام نہ آ سکا۔"

اس کے جانے کے بعد بہت دیر تک فرزانہ ساکت وصامت بیٹھی رہی۔ مایوسی قطرہ قطرہ اس کے وجود میں اتر رہی تھی۔ غضب خدا کا... اقدام قتل! اس کی سزا کتنی ہو سکتی ہے... چودہ سال، بیس سال، عمر قید، سزائے موت! اور نعیم نے صرف اسے قتل ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس کی لاش دفن کی، چھپائی... اپنے

جرم کا نشان مٹانے کے لئے اس نے کتنی جدوجہد کی۔ آخر وہ اتنے دن خاموشی سے یہ بوجھ اٹھائے کیسے پھرتا رہا۔ وہ تو اعصاب کا... دل کا کمزور ہے۔ بکھر کیوں نہ گیا۔ وہ یہ سب کچھ کیسے چھپا سکتا تھا؟

اس نے تصور کیا، نعیم خنجر ہاتھ میں لئے کھڑا ثریا کو دیکھ رہا ہے جس کا اس نے چند لمحے پہلے گلا کاٹا تھا۔

"ناممکن" وہ بڑبڑائی۔ وہ جانتی تھی، نعیم کا تو یہ حال تھا کہ وہ خون دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ تو بے ہوش ہو جاتا تھا خون دیکھ کر۔ یہ ناممکن تھا کہ نعیم کھڑا ثریا کے حلق سے ابلتا ہوا خون دیکھتا رہے۔ پھر وہ اس کی لاش کو پلاسٹک کے بیگ میں ٹھونسے، مسز کے لباس کے لیبل کاٹے اور پھر اسے فلیٹ سے باہر نکالے، مری لے جائے اور وہاں اسے دفن کرے... "ناممکن... نعیم میں اتنا حوصلہ ہے ہی نہیں۔"

مگر یہ فیصلہ کرنے کے بعد ایک اور سوال ابھرتا تھا۔ اگر نعیم نے ثریا کو قتل نہیں کیا تو کسی اور نے کیا ہے۔ اور اس نے خنجر چرا کر، دھو کر اور ٹھکانے لگا کر ایک ایسی شہادت کو ضائع کرنے کی حماقت کی ہے جو قاتل کی طرف اشارہ کرتی تھی۔

○☆○

ہفتے کے روز بالے کی چھٹی ہوتی تھی۔ استاد حنیف نے جمعے کے روز اسے فون کیا تھا "بہتر ہے کہ جلدی سے اس لڑکی کو مٹا ڈالو، ورنہ ہمیں کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ہوگا جو یہ کام کر سکے" استاد نے کہا تھا

بالا اس کا مطلب سمجھتا تھا، چنانچہ اس نے بڑی احتیاط سے از سرنو منصوبہ بندی کی۔

دکان سے گارمنٹ بازار تک شہلا کا پیچھا کرنا ایک دشوار مرحلہ تھا۔ یہ ڈر تھا کہ وہ اسے پہچان نہ لے۔ کیونکہ روز چائے اور کبھی کبھی کھانا لے جانے کی وجہ سے وہ اس سے بات بھی کرنے لگی تھی۔ بنیادی طور پر وہ ایک خوش مزاج لڑکی تھی۔ چنانچہ بالے نے گھنگریالے بالوں کی ایک وگ اور دھوپ کا چشمہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔

ایک بجے کے قریب اس نے شہلا کی دکان کی نگرانی شروع کردی۔

○☆○

ہفتے کی صبح دس بجے یونان کا ایک کارگو شپ کراچی کی بندرگاہ پر لگا "ملبوسات ایکسپورٹ" کا ایک شپمنٹ اس پر لادا جانے والا تھا۔ لیکن نارکوٹکس اور کسٹم والے اس کی تاک میں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بہت بھاری مقدار میں منشیات ان کے ہاتھ لگنے والی ہیں۔

"ویسے آئیڈیا زبردست ہے" ایک کسٹم آفیسر نے نارکوٹکس انسپکٹر سے کہا "بکرم کی جگہ ہیروئن..."

جسے ہی شپمنٹ گودام سے نکال کر گودی تک لایا گیا، سامان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ سامان کھولا گیا۔ لباسوں کے بخیے ادھیڑے گئے، جینس، اسکرٹ، سندھی اور کشمیری کشیدہ کاری والی قمیصیں... ہر چیز میں ہیروئن تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہیروئن کا ڈھیر بڑا ہونے لگا۔

آپریشن انچارج نے نارکوٹکس بیورو کے ہیڈکوارٹر فون کیا "بابر کو فوراً گرفتار کرلیں۔"

گیارہ بجے کے قریب نارکوٹکس بیورو کے ایجنٹ بابر کے دفتر میں دندناتے ہوئے گھسے اور اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لائے۔ اس کی سیکریٹری اسے اس حال میں دیکھ کر رونے لگی۔ لیکن بابر نے پُرسکون لہجے میں اس سے کہا "شبانہ... میری باتیں یاد رکھنا" شبانہ کی آنکھوں کے تاثر نے اسے یقین دلادیا کہ وہ اس کی بات سمجھ گئی ہے۔ اور شبانہ سمجھ گئی تھی کہ اسے بارہ دن پہلے ثریا نعیم کی یہاں آمد کے سلسلے میں زبان بند رکھنی ہے۔

○☆○

جمعے کی رات ساجد ٹھیک طرح سے سو نہیں سکا۔ حالانکہ وہ توقع کر رہا تھا، اس کے باوجود جب پیر کو دروازے پر دستک ہوئی اور ایک پولیس والے نے اسے بتایا کہ اسے پوچھ گچھ کے لئے تھانے بلایا گیا ہے تو اس کے اعصاب جواب دینے لگے۔

اے ایس آئی نواز کے پہلے سوال نے اسے چونکا دیا "پیر کے دن تم نے بینک سے آٹھ سو روپے نکلوائے تھے۔ وہی رقم ہم نے تمہاری خالہ کے فلیٹ سے قالین کے نیچے اور ادھر ادھر سے نکالی تھی۔ ہے نا؟ اور تم نے کہا تھا کہ جس رقم کی چوری کا تمہاری خالہ تم پر الزام لگاتی رہتی تھیں، وہ انہیں ہمیشہ کہیں نہ کہیں سے مل جاتی تھی۔ وہ رکھ کر خود ہی بھول جاتی تھیں۔ اب یہ بتاؤ، تمہیں ان مختلف مقامات پر سو کے آٹھ نوٹ رکھنے کی کیا ضرورت پڑی تھی؟"

○☆○

"آپ میڈیکل ایگزامنر سے پوچھیں کہ کیا اس کے خیال میں ثریا نعیم کی موت کے بعد ان کا لباس تبدیل کیا گیا تھا" ناشتے کے دوران شہلا نے باپ سے فرمائش کی۔

"کیوں بھئی! مجھے تو اس بات کا خیال بھی نہیں آیا۔"

"پلیز بابا! آپ پوچھیں تو سہی کیا آپ کے خیال میں نعیم ملک اور اس کی بیوی ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں؟"

"یہ ناممکن تو نہیں۔"

"چلیں... میں نے مان لیا۔ ثریا کو آخری بار جس شخص نے زندہ دیکھا، وہ ان کا سابق شوہر نعیم ملک تھا اور یہ جمعرات کی

شام کی بات ہے۔ اب نعیم ملک سے یہ تو پوچھا جاسکتا ہے کہ اس وقت ثریا کیا پہنے ہوئے تھیں۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ وہ ایک اونی لبادہ پہنے ہوئے ہوں گی... گہرے کلر کا۔ کیونکہ وہ گھر میں ہمیشہ وہی پہنتی تھیں۔ لبادے کے نیچے سلیپنگ سوٹ ہوتا تھا۔ اور بابا' وہ سلیپنگ سوٹ اور اونی لبادہ ان کی الماری میں بھی موجود نہیں۔ جبکہ وہ سفر میں کبھی ان کپڑوں کو ساتھ نہیں رکھتی تھیں۔ دیکھیں... آپ مجھے ایسے نہ دیکھیں۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں' وثوق سے کہہ رہی ہوں۔ بات یہ ہے کہ نعیم ملک یا کوئی اور جس نے بھی انہیں قتل کیا' اس نے ان کے کپڑے تبدیل کئے۔ یعنی انہیں قتل اسی سلیپنگ سوٹ اور اونی لبادے میں کیا گیا..."

"کیا... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اگر ثریا کے قتل کے بعد ان کے کپڑے تبدیل کئے گئے تو ان کا سابق شوہر ہرگز قاتل نہیں ہوسکتا۔ میں نے نعیم ملک اور اس کی بیوی کو دیکھا ہے اور آپ نے بھی... ان کے کپڑوں سے آپ کو اندازہ نہیں ہوا کہ وہ فیشن سے' لباس کی میچنگ کے شعور سے بالکل نابلد ہیں۔ دوسری طرف ایک ایسا شخص جو ڈیزائنر ہو... مثلاً بابر' وہ اگر قتل کے بعد لباس تبدیل کرے گا تو قدرتی طور پر وہی سوٹ اسی طرح پہنائے گا جس طرح اس نے اسے دیا تھا۔ اسے یہ تو معلوم نہیں کہ میں نے نیلے جمپر کے بجائے ان ٹراؤزرز کے ساتھ سفید بلاؤز لگایا تھا۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ؟"

آفتاب ضمیر خاموش رہا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اور بابا... آپ ہمیشہ کہتے رہے ہیں کہ قاتل کوئی نہ کوئی نشان ضرور چھوڑتا ہے۔"

"لیکن تمہاری ماں کے قاتل نے تو کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔"

"یقیناً چھوڑا ہوگا" شہلا نے کہا۔ پھر وہ چونکی "تو آپ کے خیال میں وہ گل زمان کے حکم پر قتل نہیں کی گئی تھیں؟"

"ہاں... اب میرا یہی خیال ہے" آفتاب نے جواب دیا۔

○☆○

فرزانہ نے شہلا اور آفتاب ضمیر سے مدد کی درخواست کی تھی۔ جواباً آفتاب نے اسے ایک بہت اچھے فوج داری وکیل سے متعارف کرادیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں شہاب ثاقب ایڈووکیٹ کے سامنے بیٹھے تھے۔

شہاب دونوں میاں بیوی کی باتیں سنتا رہا تھا اور وقتاً فوقتاً سوال بھی کرتا رہا تھا۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ نعیم نے اسے سب کچھ نہیں بتایا ہے۔ بہرحال اس نے جتنا کچھ بتایا تھا' وہ آغاز کے لئے کافی تھا۔

شہاب نے نعیم ملک کو بغور دیکھا۔ وہ اب قدرے پُرسکون نظر آرہا تھا۔

شہاب کو یقین تھا کہ نعیم ملک مجرم ہے۔ وہ واضح طور احساسِ جرم کا شکار معلوم ہو رہا تھا مگر جب نعیم نے اس کی لائی ڈیٹیکٹو کی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا تو شہاب کا یقین متزلزل ہوگیا۔ لائی ڈیٹیکٹو کا استعمال حال ہی میں شروع ہوا تھا مگر اس کی کوئی باقاعدہ قانونی حیثیت نہیں تھی۔ تاہم یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ اسّی فیصد ملزم لائی ڈیٹیکٹو کو دھوکا نہیں دے پاتے اور جو کچھ کہتے ہیں' سچ کہتے ہیں۔

○☆○

جمال آفاقی نے ساڑھے تین بجے بابر کی گرفتاری کی خبر سنی۔ اس نے فوراً آفتاب ضمیر کو فون کیا "تمہیں علم تھا کہ یہ ہونے والا ہے؟" اس نے آفتاب سے پوچھا۔

"نہیں" آفتاب کے لہجے میں خوشی تھی۔

"دیکھو آفتاب! ہم سب جانتے تھے کہ بابر کسی نہ کسی طرح ڈرگ مافیا سے متعلق ہے۔ شہلا نے جو محنت کشوں کے استحصال کا مسئلہ اٹھایا تھا' وہ کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن یہ معاملہ مختلف اور بہت بڑا ہے۔ شہلا کی وجہ سے دو ارب روپے کی ہیروئن پکڑی گئی ہے۔ یہ صرف بابر کا نقصان نہیں' پوری ڈرگ مافیا کا نقصان ہے۔ اب تمہیں شہلا کی حفاظت کا خصوصی بندوبست کرنا ہوگا۔"

"میں اس سلسلے میں سوچوں گا اور ایس پی سے بات بھی کروں گا" آفتاب نے کہا" ویسے وہ آج خریداری کے لئے نکلے گی۔ تمہارے پاس بھی آئے گی۔"

"ہاں۔ آخر میں وہ ہمیشہ میرے پاس آتی ہے۔"

"تو جیسے ہی وہ تمہارے ہاں پہنچے' اس سے فون پر میری بات کرادینا۔"

"ضرور..."

"اور تمہارا ہاتھ کیسا ہے جمال؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں نے وہ کتاب برباد کردی۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ وہ سوکھ گئی ہے۔ اور ایک پبلشر جو حال ہی میں شہلا کا دوست بنا ہے' اس کتاب کو بالکل ٹھیک کرنے کا وعدہ کرچکا ہے۔"

"ارے نہیں' یہ تو میری ذمے داری ہے۔ میں کسی کو بھیج دوں گا اس کتاب کے لئے۔"

"چھوڑو بھی" آفتاب نے ہنستے ہوئے کہا" اچھا پھر بات ہوگی۔"

○☆○

دو بجے نعیم اور فرزانہ شہاب کے دفتر آئے۔ نعیم کو پولی گراف ٹیسٹ دینا تھا۔ شہاب نے وعدہ کیا تھا کہ اگر پولیس پولی

گراف ٹیسٹ تک بات پہنچی اور نعیم بری ثابت ہوا تو وہ پولیس کو تشدد' مار پیٹ اور شہادتوں میں گڑبڑ کرنے کے الزامات سے دست بردار ہونے پر رضامند کرلے گا۔ مگر پہلے وہ خود مطمئن ہو جانا چاہتا تھا۔ ٹیسٹ ہوچکا اور پولی گراف ایکسپرٹ رخصت ہوچکا تو شہاب نے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا "عام طور پر میں اتنی تیزی کو مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن آپ کا کہنا ہے کہ اخبارات میں جتنے عرصے ملک صاحب کا نام مشتبہ ملزم کی حیثیت سے چھپے گا' اتنا ہی آپ کی بچیوں کے مستقبل پر برا اثر پڑے گا' اس لئے میں فوری طور پر پولیس سے رابطہ کرکے سرکاری طور پر پولی گراف ٹیسٹ کی تجویز پیش کروں گا۔ لیکن ایک بات سن لیں... پولی گراف ٹیسٹ کا جو بھی نتیجہ ہوگا' وہ مثبت ہو یا منفی' عدالت میں ضرور پیش کیا جائے گا۔ ٹھیک ہے؟"

"مگر اس وقت جو ٹیسٹ ہوا ہے' اس کے نتائج تو مثبت ہیں" فرزانہ نے کہا۔

"یہ درست ہے۔ مگر کبھی کبھی دو ٹیسٹ کے مختلف نتائج بھی نکلتے ہیں۔ اصل اہمیت سرکاری ٹیسٹ کی ہوگی اور تھانے کا اپنا نفسیاتی دباؤ بھی ہوتا ہے۔"

"میں تیار ہوں" نعیم ملک بولا۔

"آپ ویٹنگ روم میں انتظار کریں' میں ایس پی صاحب سے بات کرتا ہوں۔"

آدھے گھنٹے بعد شہاب اپنے دفتر سے نکلا "چلیے' میں نے بات کرلی ہے۔"

○☆○

لنچ کے وقت نوید ظفر نے شہلا کو فون کیا "شہلا... میں چند کلائنٹس کے ساتھ بلیو ہیون جارہا ہوں۔ وہاں کا فون نمبر لکھ لو۔ آئندہ دو تین گھنٹوں تک میں وہیں ہوں گا۔ ضرورت پڑے تو فون کرلینا۔"

"رائٹ۔ لیکن تمہیں میری طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

شہلا نے سینڈوچ اٹھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار انسپکٹر فرید کا فون تھا "آپ کو یقین ہے... مس شہلا کہ قتل کے بعد ثریا بیگم کا لباس تبدیل کیا گیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں..."

"اور ثریا نعیم جو کپڑے گھر پر پہنتی تھیں' انہیں پہن کر باہر تو نہیں نکل سکتی تھیں؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتولہ کے ناخنوں میں نائلون کے ریشے پائے گئے ہیں۔ دو ایک دن میں آپ سے اس پر گفتگو ہوگی۔ آپ وقت دے سکیں گی نا؟"

"جی ہاں' کیوں نہیں۔"

ریسیور رکھنے کے بعد شہلا کو بابا سے صبح ہونے والی گفتگو یاد آئی۔ اس نے ٹھیک ہی کہا تھا' اگر بابر نے ثریا کو قتل کیا ہے تو لباس تبدیل کراتے وقت اسے قدرتی طور پر ٹراؤزرز کے ساتھ وہی جمپر منتخب کرنا تھا کیونکہ وہ سوٹ بابر ہی نے ڈیزائن کیا تھا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ پھر ریسپشنسٹ کمرے میں داخل ہوئی "آپ کو... آپ کو پتا ہے کہ بابر کو گرفتار کرلیا گیا ہے؟"

"نہیں... کب؟"

ریسپشنسٹ شروع ہوگئی۔

کام نمٹانے کے بعد شہلا اٹھ گئی۔ باہر آکر اس نے سامنے سے گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روکا اور اس میں بیٹھ گئی۔ اس کی نظر گھنگریالے بالوں والے اس شخص پر نہیں پڑی جس نے بہت تیزی سے پیچھے ایک اور ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا تھا۔

○☆○

ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ شہلا کی ٹیکسی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ بالے کی ٹیکسی کے ڈرائیور نے جو بالے کو سی آئی ڈی آفیسر سمجھ رہا تھا' بالے سے معذرت کی "معاف کرنا صاب۔ رش بہت ہے نا۔"

لیکن بالے کو فکر نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ شہلا کو گارمنٹ بازار جانا ہے۔

گارمنٹ بازار کے قریب اس نے ٹیکسی رکوائی اور اتر گیا۔ فٹ پاتھوں پر ہجوم تھا۔ بالا ڈاکیے کی وردی میں تھا۔ کندھے پر ڈاکیوں جیسا تھیلا بھی تھا۔ وہ راہگیروں کے درمیان جگہ بناتا بڑھتا رہا۔ وہاں کسی کو کسی کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہ تھی۔

بالے نے یہ سوچ کر اطمینان کی سانس لی کہ یہاں کسی کو نشانہ بنانا نسبتاً آسان ہے۔ اور بھیڑ میں گم ہو جانا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ ریوالور اس کے کندھے سے لٹکے ہوئے تھیلے میں تھا۔ شہلا کو شوٹ کرنے کے بعد وہ ریوالور دوبارہ تھیلے میں ڈال لیتا اور کسی کو اس پر شک بھی نہ ہوتا۔

وہ شہلا کی تلاش میں نظریں دوڑاتا رہا۔ بالآخر وہ اسے نظر آگئی لیکن وہ اس سے خاصا دور تھا کہ وہ ایک مارکیٹ میں گھس

گئی۔ بالا ایک ٹرک کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ یہاں سے وہ مارکیٹ کے داخلی دروازے پر نظر رکھ سکتا تھا "اپنی دکان کے لئے ملبوسات منتخب کرتے وقت اپنے لئے کفن بھی خرید لینا شہلا آفتاب" اس نے خود کلامی کی۔

○☆○

اے ایس آئی صغیر کی حال ہی میں ترقی ہوئی تھی۔ ان دنوں وہ جس ڈیوٹی پر مامور تھا' وہ بے حد بور اور تھکا دینے والی تھی لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کہ بہت اہم بھی ہے۔ وہ اسپتال میں محکمۂ خفیہ کے انسپکٹر کمال کی حفاظت پر مامور تھا جو بدستور انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں تھا۔
کمال کی ماں کا خیال تھا کہ کمال کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ نرسوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جیسے ہی کمال کو ذرا بھی ہوش آئے' وہ فوری طور پر صغیر کو مطلع کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بہت اہم کام کے دوران قاتلانہ حملے کا شکار ہوا تھا۔

بالآخر پیر کی شام چار بجے وہ وقت آیا۔ آکسیجن ماسک ہٹا لیا گیا تھا۔ کمال کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ پھر بہت دھیمی آواز نکلی۔ صغیر نے جھک کر اس کے ہونٹوں سے کان لگا دیا۔ کمال نے واضح طور پر آفتاب کا نام لیا... اور پھر شہلا... کہا۔
"تم نے ابھی شہلا آفتاب کہا ہے نا؟ اگر یہ درست ہے تو میرا ہاتھ دباؤ" صغیر نے کہا۔ اس نے کمال کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔
اگلے ہی لمحے اسے اپنی ہتھیلی پر خفیف سا دباؤ محسوس ہوا۔
اچانک صغیر کو ایک خیال نے لرزا دیا "کمال... کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ شہلا کے قتل کا حکم گل زمان نے نہیں دیا تھا... کسی اور نے دیا تھا؟"
چند لمحے سکوت رہا۔ پھر اسے اپنے ہاتھ پر نسبتاً زیادہ دباؤ محسوس ہوا۔

"کمال... میں تمہارے ہونٹ دیکھ رہا ہوں۔ اس کا نام بتانے کی کوشش کرو جس نے شہلا کے قتل کا حکم دیا تھا" پھر وہ بڑے غور سے کمال کے ہونٹوں کو دیکھتا رہا "میرا خیال ہے' یہ بابابا... یا ایسا ہی کچھ کہہ رہا ہے" اس نے خیال آرائی کی۔
قریب کھڑی ہوئی نرس نے کہا "میرے خیال میں تو یہ بابر کہہ رہا ہے۔"
صغیر اچھل ہی پڑا۔
کمال پھر بے ہوشی کی تاریک وادی میں اتر گیا مگر اس سے پہلے اس نے تصدیق کے طور پر صغیر کا ہاتھ دبا دیا تھا۔

○☆○

دو علیحدہ کمروں میں دو آدمی پولیس تفتیش کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔ ایک بابر' جو ابھی تک پچاس کروڑ کی ضمانت کا بندوبست نہیں کر سکا تھا۔

"تمہیں علم ہے کہ شہلا آفتاب کے قتل کا کانٹریکٹ کس کو دیا گیا ہے؟" انسپکٹر فرید نے بابر سے پوچھا۔
بابر دس گھنٹے سے حراست میں تھا۔ مگر اس کے کس بل نہیں نکلے تھے۔ یہ سن کر اس نے زوردار قہقہہ لگایا "مذاق کر رہے ہو! یہ حماقت کون کرے گا اور کیوں؟ ویسے میرے خیال میں آئیڈیا ہے زبردست۔"

دوسری طرف نعیم ملک دن میں دوسری بار پولی گراف ٹیسٹ کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ وہ بار بار خود کو یاد دلا رہا تھا کہ اس ٹیسٹ میں اور اُس ٹیسٹ میں کوئی فرق نہیں' جو چند گھنٹے پہلے وہ شہاب ایڈووکیٹ کے دفتر میں پاس کر چکا ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ ٹیسٹ اُس ٹیسٹ سے مختلف تھا۔ فضا کا... ماحول کا فرق تھا۔ وہاں کرخت چہروں والے باوردی پولیس مین نہیں تھے اور وہ جانتا تھا کہ انہیں یقین ہے... ان میں سے ہر ایک کو یقین ہے کہ ثریا نعیم کو اس نے قتل کیا ہے۔ یہ احساس اور پھر تھانے کا ماحول اسے دہشت زدہ کئے دے رہا تھا۔ شہاب کی تسلیاں بھی اس کی ذہنی کیفیت کو بہتر نہیں کر پا رہی تھیں۔
اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے ٹیسٹ کے لئے رضامند ہو کر غلطی کی ہے۔
وہ ابتدائی آسان سوالات کے جواب بھی ٹھیک طرح سے نہ دے سکا۔ جب وہ ثریا سے اپنی آخری ملاقات کے مرحلے تک پہنچا تو اسے ملاقات کا تصور جیتی جاگتی ملاقات کی طرح لگا۔ جیسے وہ اس کے ساتھ موجود ہو۔ جیسے وہ اس کا منہ چڑا رہی ہو... اس کی اذیت اور پریشانی سے محظوظ ہو رہی ہو... اس یقین کے ساتھ کہ وہ کبھی اس کے چنگل سے نہیں نکل سکے گا۔
اس کے اندر وہی آتشیں غصہ ابھرا' اُمڈا' جو اس روز ابھرا تھا۔

"تم نے ثریا کو گھونسا مارا؟" اس سے پوچھا گیا۔
اس کا گھونسا ثریا کے جبڑے پر لگا۔ ثریا کا سر جھٹکے سے پیچھے کی طرف گیا "ہاں.. میں نے مارا تھا" اس نے جواب دیا
"اس نے خنجر اٹھا کر تم پر حملہ کرنے کی کوشش کی؟"
اس کے چہرے پر بدمزگی تھی... نفرت تھی۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ اب وہ پوری طرح سے اس کے قابو میں آ گیا ہے "تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ میں تمہیں گرفتار کرا دوں گی!" وہ دہاڑی تھی۔ پھر اس نے خنجر اٹھایا اور اس پر جھپٹی۔ اس نے ثریا کے ہاتھ سے خنجر چھین کر میز پر پھینک دیا۔ اسی لمحے ثریا نے اس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھا اور بھانپ گئی کہ وہ غصے کی جن حدوں میں ہے' وہ اس سے کچھ بھی کروا سکتا ہے۔ اس نے جلدی سے کہا تھا "ٹھیک ہے نعیم' ٹھیک ہے... میں نان نفقہ سے دستبردار ہو رہی ہوں..." "پھر...؟"
"نعیم ملک... تم نے اپنی سابق بیوی کو قتل کیا ہے؟"

نعیم ملک نے آنکھیں بند کرلیں "نہیں... نہیں..." پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

اور شباب ایڈووکیٹ کو معلوم ہوگیا کہ اس نے جو جُوا کھیلا تھا' وہ ہار چکا ہے۔ اس بار نعیم ملک لائی ڈیٹیکٹر ٹیسٹ میں فیل ہوگیا تھا۔

○☆○

ایس پی ظفر خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا مگر آنکھوں سے پتا چلتا تھا کہ اس کے نزدیک صورتِ حال کچھ ٹھیک نہیں۔ انسپکٹر فرید اور اے ایس آئی نواز اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

ظفر کو پریشانی یہ بھی تھی کہ وہ آفتاب ضمیر کو بتائے یا نہیں۔ یہ بتانا کہ بابر نے اس کی بیٹی کے قتل کے لئے ممکنہ طور پر کسی اُجرتی قاتل سے کانٹریکٹ کیا ہے' کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ اطلاع آفتاب کے لئے دوسرے ہارٹ اٹیک کا سبب نہ بن جائے۔

سوال یہ تھا کہ اگر بابر نے شہلا کے قتل کے لئے کسی اُجرتی قاتل کی خدمات حاصل کی ہیں تو اب اسے روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کہیں اس اعتبار سے تاخیر تو نہیں ہوگئی ہے۔

جواب ذہن میں آتے ہی ظفر کو جھرجھری سی آگئی۔ وہ جانتا تھا کہ بابر نے خود کسی سے رابطہ نہیں کیا ہوگا۔ اس نے اپنے کسی معتمد سے اور اس کے معتمد نے اپنے کسی معتمد سے کہا ہوگا۔ یوں پانچویں چھٹی سیڑھی پر کسی نے ایڈوانس دے کر قاتل کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔ قاتل کو تو یہ علم بھی نہیں ہوگا کہ قتل کا حکم اصل میں کس نے دیا ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ قاتل کا تعلق کسی دوسرے شہر سے ہو۔

ظفر کو آفتاب کی بیٹی شہلا کا خیال آیا تو وہ کانپ کر رہ گیا۔ اسے قاتل کو ہر قیمت پر روکنا تھا۔ جب آفتاب کی بیوی خدیجہ قتل ہوئی تو وہ اس وقت انسپکٹر تھا۔ وہ مرتے دم تک آفتاب کے چہرے کے وہ تاثرات نہیں بھول سکتا تھا جب وہ اپنی بیوی کی لاش کے پاس بیٹھا اس کے بال سنوار رہا تھا۔

اور اب اسی مظلوم دُکھی شخص کی بیٹی... اکلوتی بیٹی شہلا کسی نامعلوم قاتل کی زد پر تھی۔

دوسری طرف بابر پر ثریا کے قتل کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے کہ ثریا کا سابق شوہر لائی ڈیٹیکٹر ٹیسٹ میں فیل ہوچکا تھا۔ اور اے ایس آئی نواز تو واضح طور پر' پورے یقین سے کہہ رہا تھا کہ ثریا کا قاتل نعیم ملک ہی ہے۔ البتہ انسپکٹر فرید معاملے کے ہر پہلو کا جائزہ لے رہا تھا۔ "سر... مس شہلا سے میری بات ہوئی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ ثریا کو قتل کرنے کے بعد قاتل نے اس کا لباس تبدیل کیا ہے۔ اور میں ان سے متفق ہوں۔ آپ لاش کی تصویریں ملاحظہ فرمائیں۔"

ظفر نے تصویروں کا جائزہ لیا۔ اس کی نظریں اس تصویر پر ٹھہر گئیں جس میں گلے کا کلوز اپ تھا۔ کٹا ہوا گلا دیکھ کر ظفر کو جھرجھری آگئی۔ وہ انسان کے خلاف انسان کی بے رحمی کے ان گنت مظاہرے دیکھ چکا تھا لیکن یہ تو بے رحمی سے بھی آگے کی چیز تھی۔

اس نے انٹر کام کا بزر دیا اور اپنے اسسٹنٹ سے ایک فائل طلب کی۔

○☆○

نوید بلیو ہیون سے سیدھا اپنے آفس آیا۔ وہ اپنے اندر ایک بے نام سا اضطراب اُمڈتا محسوس کر رہا تھا۔ کہیں کوئی گڑبڑ تھی۔ کوئی اہم بات' جسے وہ نظرانداز کر گیا تھا۔ مگر کیا؟ اس نے

ثریا کے نوٹس کی فائل کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ ان نوٹس کی ہی بنیاد پر ثریا نے اپنا تازہ ترین آرٹیکل تیار کیا تھا لیکن نوٹس میں ایسی بے شمار باتیں تھیں جو آرٹیکل میں شامل نہیں تھیں۔

وہ نوٹس کی ورق گردانی کرتا رہا۔ بالآخر اسے ایک جگہ بابر کا نام نظر آیا۔ ثریا نے لکھا تھا۔۔۔ فیشن کی دنیا میں آج تک کسی نے لائننگ اور بخیوں کی مدد سے اتنی دولت نہیں کمائی جتنی بابر نے صرف تین برس میں کمائی ہے۔۔۔۔" ثریا نے اس جملے کو خط کشیدہ کیا تھا اور بابر بریکٹ میں لکھا تھا۔۔۔(ریزرو۔۔۔)

نوید کو ریسٹورنٹ ہی میں بابر کی گرفتاری کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا، کہیں ایسا تو نہیں کہ ثریا کو ملبوسات کے ذریعے منشیات کی اسمگلنگ کا علم ہو گیا ہو اور یہ جملہ اسی طرف اشارہ کرتا ہو۔ جملہ ہی نہیں، بریکٹ میں ریزرو کا لفظ بھی بے حد معنی خیز تھا۔

بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ کتاب کے سلسلے میں بھی ثریا نے سنسنی خیز اسکینڈلز کا حوالہ دیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی کتاب فیشن کی دنیا میں بھونچال ثابت ہوگی۔ نوید نے سوچا، وہ یہ فائل شہلا کو بھی دکھائے گا۔

شہلا کا خیال آتے ہی اسے حیرت نے آلیا۔ چھ دن۔۔۔ صرف چھ دن کی شناسائی، جو اسے چھ برس پر محیط معلوم ہوتی تھی۔ شہلا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جمال انکل کے ہاں سے اسے فون کرے گی۔ جمال آفاقی کا خیال آتے ہی اس نے ثریا کے نوٹس کے ورق پلٹے۔ آگے جمال آفاقی کا بھی تفصیلی ذکر تھا۔ اس میں بحرالکاہل کی سمندری جھاڑیوں والے مشہور ترین ڈیزائن کے اسکیچز بھی تھے۔

نوید نے جستہ جستہ آرٹیکل کا وہ حصہ پڑھا۔ پھر وہ ٹھٹک گیا۔ وہ کچھ مس کر رہا تھا۔ لیکن کیا؟ اس نے ثریا کا چھپنے والا آرٹیکل پڑھا تھا۔ اب وہ نوٹس پڑھ رہا تھا۔

نوٹس کچھ مبہم سے تھے۔ معموں کی طرح۔ کراچی فش ایکوریم کا حوالہ بھی تھا۔ ساتھ ہی ایک تاریخ بھی تھی۔ بریکٹ میں چیک کیا لکھا تھا۔ نوید کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے حال ہی میں۔۔۔ گزشتہ چند دنوں میں وہ اسکیچ کہیں اور بھی دیکھا تھا۔ پھر اسے یاد آگیا۔ اس نے وہ اسکیچ مرحومہ خدیجہ آفتاب کی کھانے پکانے کی ترکیبوں والی کتاب میں دیکھا تھا۔ اس صفحے کو کلفی نے داغدار کر دیا تھا۔

فش ایکوریم کا حوالہ اور چیک کرنے کی تاریخ۔ جیسے جیسے بات سمجھ میں آتی گئی، نوید ظفر کے رونگٹے کھڑے ہوتے گئے۔۔۔ دہشت بہت آہستہ آہستہ اسے اسیر کر رہی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے پانچ بجے تھے۔ اس نے جلدی سے کراچی کا ٹیلی فون کوڈ اور پھر فش ایکوریم کا فون نمبر ملایا۔ خوش قسمتی سے ایکوریم کا انچارج جمشید کالج کے زمانے میں اس کا کلاس فیلو رہا تھا۔

دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی اور نوید سامنے رکھے نوٹس کو گھور رہا تھا۔ ثریا نے پہلے لکھا تھا۔۔۔ بحرالکاہل کی سمندری جھاڑیوں والے ڈیزائن پر ہمیں جمال آفاقی کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اس ڈیزائن نے کپڑے کی صنعت اور ڈیزائننگ کے فن کو جتنی ترقی دی، پاکستان بننے کے بعد سے آج تک کسی اور چیز نے نہیں دی۔ بعد میں اس عبارت سے ثریا نے جمال آفاقی کا نام کاٹ کر۔۔۔ اس ڈیزائن کے اصل خالق۔۔۔ لکھ دیا تھا۔

فون دوسری طرف سے جمشید ہی نے ریسیو کیا۔ نوید نے اپنا نام بتانے کے بعد کہا " میں نے اس وقت ایک بہت ضروری کام سے تمہیں فون کیا ہے" اس کے بعد اس نے اپنا مدّعا بیان کیا۔

جمشید کا جواب اس کے لئے توقع سے زیادہ خوفزدہ کر دینے والا تھا" تمہارا خیال بالکل درست ہے نوید" جمشید نے کہا" اور ایک عجیب بات سنو۔ پچھلے دو ہفتوں میں تم دوسری شخصیت ہو جس نے یہ جاننے کے لئے فون کیا ہے۔"

" اچھا۔۔۔ مجھ سے پہلے کس نے یہ بات پوچھی تھی۔"

"کوئی فیشن رائٹر تھی۔۔۔ ثمینہ۔۔۔ نہیں ثریا نعیم نام تھا اس کا۔"

○☆○

زرینہ واحد، آفتاب کے گھر پہنچی تو اسے احساس ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ پچھلے چند روز میں وہ آفتاب اور شہلا سے کافی قریب ہو گئی تھی۔ پسندیدگی کا یہ رشتہ دو طرفہ بلکہ سہ طرفہ تھا۔ آفتاب کچھ الجھا ہوا تھا۔ اسے سرد مہری بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ مگر زرینہ جانتی تھی کہ سرد مہری ہے بھی تو کم از کم اس کے لئے نہیں ہے۔

" کیا بات ہے؟" زرینہ نے پوچھا۔

" میں ایک گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم میری مدد کرو۔ معاملہ بہت اہم ہے۔"

" بولو۔۔۔"

" نکتہ یہ ہے کہ یہ ہینڈل ڈھیلا نہیں ہوا۔ اسے طاقت استعمال کر کے توڑا گیا ہے۔"

زرینہ نے سوالیہ نگاہوں سے آفتاب کو دیکھا۔ وہ ایک کیتلی تھامے ہوئے تھا جس کا ہینڈل جھول رہا تھا۔ زرینہ نے قریب جا کر کیتلی کو دیکھا۔ اسی وقت اس کی نظر کھانا پکانے کی ترکیبوں والی کتاب پر پڑی۔ کتاب کے صفحوں پر کلفی کے داغ تھے۔ مگر ایک صفحے پر بنا ہوا اسکیچ بالکل واضح تھا، بلکہ رنگ اور واضح ہو گئے تھے۔

" واہ۔۔۔ بہت حسین۔ یہ تو شہلا ہے۔ یقیناً یہ پہلی بچی ہوگی جس نے بحرالکاہل کی سمندری جھاڑیوں والے ڈیزائن کی لان پہنی ہوگی" زرینہ نے بے ساختہ داد دی۔

اسی لمحے اسے اپنے ہاتھ پر سخت گرفت محسوس ہوئی۔

"جمال آفاقی" آفتاب نے تقریباً سرگوشی میں کہا "اس نے دانستہ کیتلی کا ہینڈل زور لگا کر توڑا تھا۔ وہ یہ اسکیچ تباہ کردینا چاہتا تھا۔ اب میں سب سمجھ گیا" پھر اسے جھٹکا سا لگا "ارے... اور شہلا اس کے پاس گئی ہوگی..."

"کہاں... کیا کہہ رہے ہو؟" زرینہ بوکھلا گئی۔ اس کا ہاتھ اب دُکھنے لگا تھا۔

"شہلا، جمال کے دفتر میں ہوگی۔"

"میری کار باہر موجود ہے۔"

آفتاب نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ فون کی طرف لپکا۔ پہلے اس نے ایس پی ظفر کو فون کرکے صورتِ حال بتائی۔ "میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرسکتا۔ مجھے جمالستان پہنچنا ہے۔"

"میرے پاس ایک اہم لیکن تشویش ناک خبر ہے سر" ایس پی اس سے بات کرنے پر مُصر تھا "آپ کی بیٹی کی زندگی خطرے میں ہے۔ امکان یہ ہے کہ ایک اُجرتی قاتل اس کی گھات میں ہے اور سر... میرے خیال میں آپ کی بیوی اور ثریا کا قتل ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ آپ کو شاید یاد نہیں کہ ثریا کے گلے کا مہلک زخم بالکل ویسا ہی ہے جیسا آپ کی بیوی کا تھا۔ اس کا مطلب ہے، دونوں کا قاتل ایک ہی ہے۔"

آفتاب کی نظروں میں پارک میں پائی جانے والی لاش کی تصویر پھر گئی۔ وہ خدیجہ کی لاش تھی۔ گردوپیش میں ایسے آثار نہیں تھے جن سے پتا چلتا کہ اس نے زندگی کے لئے مزاحمت کی ہوگی۔ ظاہر ہے، کیسے کرتی۔ قاتل پر تو وہ اعتبار کرتی تھی۔ وہ اس کے شوہر کا بچپن کا دوست جو تھا۔ میرا خدا! "پلیز ظفر... پولیس والوں کو جمالستان بھیجو... فوراً۔ جمال قاتل ہے۔"

ریسیور رکھ کر وہ دروازے کی طرف بھاگا۔ زرینہ گاڑی اسٹارٹ کرچکی تھی اور اس کی منتظر تھی۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں کررہا تھا۔ میرے اللہ... جو ہوا سو ہوا۔ میری شہلا کی زندگی بچالے معبود۔ اسے کچھ نہ ہونے دینا آقا....

شہلا چھ بج کر پانچ منٹ پر جمالستان کے قریب پہنچی۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ گارمنٹ مارکیٹ پانچ اور ساڑھے پانچ بجے کے درمیان بند ہوجاتی تھی۔ وہ لابی میں داخل ہوئی۔ اسے حیرت ہوئی کیونکہ چوکیدار غائب تھا۔ وہ لفٹ کی طرف بڑھی۔ اسے معلوم تھا کہ چھ بجے کے بعد صرف ایک ہی لفٹ کام کرتی ہے۔

لفٹ کا دروازہ بند ہورہا تھا کہ اسے جھپٹتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ پوری طرح بند ہونے اور لفٹ اوپر اٹھنے سے ایک ثانیہ پہلے اس نے ایک ڈاکیے کی جھلک دیکھی۔ اُس کے بال گھونگریالے تھے مگر نجانے کیوں کچھ عجیب لگ رہے تھے۔

پھر اسے یاد آیا کہ اس شخص پر اس کی نظر آج دو تین بار پڑی تھی مگر اس نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے، ڈاکیے تو پھرتے ہی ہیں۔ مگر یہ کون سا وقت تھا ڈاک تقسیم کرنے کا... اور پھر اس بلڈنگ میں... اسے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔

تیسری منزل پر وہ اتری اور اس نے بٹن دبا کر لفٹ کو آٹھویں منزل کی طرف روانہ کردیا۔

جمالستان کے شوروم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے اندر گھسی اور اس نے دروازہ بند کردیا "انکل!" اس نے گھبرا کر پکارا۔

انکل اپنے دفتر سے نکلے "کیا بات ہے شہلا؟ کیا ہوا؟"

"انکل... میرا خیال ہے، کوئی میرا پیچھا کررہا ہے۔ دروازہ بند کردیں" اب وہ ہانپ رہی تھی۔

انکل اسے گھورنے لگے "تمہیں یقین ہے بیٹیا؟"

"جی ہاں۔ میں نے اسے تین چار بار دیکھا لیکن دھیان نہیں دیا تھا" پھر شہلا کو لگا، اس کے جسم کی جان نکل رہی ہے۔ "اب میں اسے پہچان گئی۔ وہ میری دکان کے سامنے والے ریسٹورنٹ میں بیرا ہے۔ ہمارے لئے چائے اور کھانا لاتا تھا۔ انکل... کہیں ایسا تو نہیں کہ گل زمان مجھے قتل کرانا چاہتا ہو؟"

"چھوٹا سا ڈراما کرنے کا حوصلہ ہے تم میں؟" انکل نے پوچھا۔

آواز سے اندازہ ہورہا تھا کہ لفٹ اب نیچے جارہی ہے۔ شہلا نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"بس تو میں یہ دروازہ کھلا چھوڑ دیتا ہوں۔ میں اور تم باتیں کرتے رہیں گے۔ اگر کوئی واقعی تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے تو میں نہیں چاہتا کہ وہ ڈر کر بھاگ جائے۔ تم اس مجسمے کے پیچھے چھپ جاؤ۔ میں دروازے کے پیچھے رہوں گا۔ تمہاری آواز سن کر وہ اندر آئے گا تو میں اسے دھرلوں گا۔ پھر معلوم ہوجائے گا کہ اسے کس نے بھیجا ہے۔"

انکل نے دروازہ کھولا اور اپنے دفتر میں جاکر دراز سے

ریوالور نکال لائے۔ انہوں نے کچھ لائٹس آف کردیں۔ شہلا مجسمے کے پیچھے کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ خوف زدہ تھی مگر اس عالم میں بھی اس نے دیکھ لیا کہ مجسمے کو بحرالکاہل کی سمندری جھاڑیوں کے ڈیزائن والی لان پہنائی گئی ہے۔ یہ ڈیزائن؟ اچانک اسے ماما کے بنائے ہوئے اسکیچ یاد آگئے۔ وہ ماما نے اپنی موت سے تین ماہ پہلے بنائے تھے۔ اوہ... اور انکل نے ابھی پچھلے ہفتے ہی کلائی گرا کر اسکیچ تباہ کرنے کی کوشش کی تھی...!

اسی وقت لفٹ کا دروازہ کھلا اور قدموں کی چاپ قریب آتی گئی۔

"میں نے کاریگروں کو آج جلدی چھٹی دے دی۔ بے چارے ایک ہفتے سے دن رات ایک کئے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے' اس بار میرے ڈیزائن سب سے اچھے ہیں" جمال انکل نے کہا اور معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

دروازہ آہستہ آہستہ کھلا۔ شہلا کو ایک سایہ اور ریوالور کی مکروہ نال نظر آئی۔ پھر بالا بڑی احتیاط سے اندر آیا اور ان دونوں کی تلاش میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

شہلا انکل کو دیکھ رہی تھی۔ انکل دروازے کی اوٹ سے نکلے۔ انہوں نے ریوالور بلند کیا اور پکارا "بالے... ؟"

بالے نے جیسے ہی پلٹ کر دیکھا' انہوں نے فائر کردیا۔

بالے کی پیشانی سے خون ابلنے لگا۔ چھینٹے انکل پر بھی آئے۔ بالے کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹا اور وہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

شہلا پتھر کا بت بنی تماشا دیکھتی رہی۔ انکل نے جیب سے رومال نکالا اور جھک کر بالے کا ریوالور اٹھالیا۔

"آپ نے... آپ نے تو اسے قتل کردیا۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے اس سے ریوالور پھینکنے تک کو نہیں کہا" شہلا ہذیانی انداز میں بڑبڑائی۔

"وہ تمہیں قتل کردیتا" جمال نے اپنا ریوالور استقبالیہ کاؤنٹر پر ڈال دیا "میں نے تمہاری حفاظت کا حق ادا کیا ہے" وہ شہلا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بالے کا ریوالور تھا۔

"آپ جانتے تھے سب کچھ۔ آپ کو اس کا نام بھی معلوم تھا۔ یہ منصوبہ آپ نے بنایا تھا۔"

خوش مزاجی کی وہ نقاب جو جمال آفاقی کے چہرے کا تاثر بن گئی تھی' یک لخت اتر گئی۔ اس کی پیشانی پسینے میں تر ہوگئی' ... آنکھیں' جن میں ہمیشہ چمک ہوتی تھی اور جو بڑی بڑی معلوم ہوتی تھیں' بھینچ گئیں۔ اس کا ہاتھ سیدھا ہوا اور ریوالور کا رخ شہلا کی طرف ہوگیا۔

"ہاں... تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ بابر نے تمہارے قتل کا حکم دیا۔ حالانکہ میں نے دیا تھا۔ اب میں آفتاب سے کہوں گا کہ ایک لمحے کی تاخیر ہوگئی۔ میں نے تمہارے قاتل کو ایک لمحے کی تاخیر سے شوٹ کیا اور وہ تاخیر کا لمحہ تمہارے لئے مہلک ثابت ہوا۔ تم بالکل پریشان نہ ہو شہلا بٹیا۔"

اس نے شہلا کو بچوں کی طرح چمکارا "میں آفتاب کو دلاسہ دوں گا' سہارا دوں گا۔ اس کا خیال رکھوں گا... تم جانتی ہو' یہ ہنر مجھے آتا ہے... زخم لگا کر مرہم رکھنے کا۔"

شہلا اپنی جگہ جمی کھڑی تھی۔ وہ حرکت بھی نہیں کر پارہی تھی لیکن وہ خوف کی حدوں سے بہرحال گزر چکی تھی۔

"جس ڈیزائن کی بنیاد پر تم نے عزت' دولت اور شہرت بے حساب سمیٹی' وہ میری ماں نے بنایا تھا۔ تم نے اسے چرالیا۔ ہے نا؟ اور کسی طرح ثریا نعیم کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی۔ انہیں بھی تم نے ہی قتل کیا۔ قتل کے بعد تم نے ان کا لباس تبدیل کرایا تھا۔ تم جانتے تھے کہ وہ سوٹ کون سا ہے۔ ٹراؤزرز کے ساتھ اصل جمپر کون سا ہے... ہے نا؟"

جمال آفاقی ہنسنے لگا۔ وہ نہایت بے رحمانہ ہنسی تھی "شہلا ... تم اپنے باپ سے زیادہ ہشیار ہو' اسی لئے تو میں تم سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ ثریا تمہاری دکان پر نہیں پہنچی تو تمہیں احساس ہوگیا کہ گڑبڑ ہے۔ تم نے بھانپ لیا کہ سرد موسم کے باوجود گرم ملبوسات سارے کے سارے موجود ہیں۔ میرا اندازہ بھی یہی تھا کہ تم بھانپ لوگی۔ پھر مجھے کھانا پکانے والی کتاب میں وہ اسکیچ نظر آیا۔ میں نے جان لیا کہ مجھے اس سے پیچھا چھڑانا ہوگا۔ اس کے لئے مجھے اپنا ہاتھ جلانا پڑا۔ بہرحال میں جانتا تھا' تم جلد یا بدیر کڑیاں ملالوگی۔ اگر اس اسکیچ کو بورڈ سائز میں انلارج کرلیا جاتا تو شاید آفتاب بھی پہچان جاتا...

ثریا کو کسی طرح پتا چل گیا کہ میں جو اس ڈیزائن کے سلسلے میں فش ایکوریم سے انسپائریشن کی کہانی سناتا ہوں' وہ گھڑی ہوئی ہے۔ میں نے اس سے کہا' میں تمہیں خود آکر سمجھاؤں گا' وضاحت کروں گا۔ میں اس کے گھر گیا۔ وہ بہت چالاک عورت تھی۔ اس نے کہا "مجھے معلوم ہے' تم نے جھوٹ بولا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جھوٹ کیوں بولا۔ اس نے کہا' میں جانتی ہوں کہ تم نے وہ ڈیزائن چرایا تھا اور میں یہ بات ثابت بھی کروں گی۔"

"اب میں سمجھی... ثریا ہمارے گھر ایک دعوت میں آئی تھیں۔ انہوں نے وہ کتاب دیکھی تھی۔ انہوں نے اس میں سے ایک اسکیچ کاپی بھی کیا تھا۔"

"اگر وقت ہوتا تو میں تمہیں وہ پورا پورٹ فولیو دکھاتا جو مجھے تمہاری ماما نے دیا تھا۔ پورا کلکشن ہے اس میں" جمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور شہلا سوچتی رہی' یہ انکل جمال تو نہیں ہیں... بابا کے بچپن کے دوست... یہ تو کوئی اجنبی ہے' جو مجھ سے اور بابا سے نفرت کرتا ہے۔

"تمہارا باپ بچپن ہی سے مجھے حقیر سمجھتا تھا۔ میں مذاق کا نشانہ بنتا تھا۔ تمہاری ماما خوب صورت تھی' صلاحیتوں سے مالا مال تھی۔ وہ پیدائشی آرٹسٹ تھی۔ رنگوں کے امتزاج کا پورا

شعور تھا اسے۔ اور وہ خود کو ضائع کرتی رہی ... تمہارے بے وقوف باپ پر جو نیلے اور جامنی رنگ میں بھی تمیز نہیں کر سکتا' ...اپنے اندر کے آرٹسٹ کی ستائش کے لئے اسے میری طرف دیکھنا پڑتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں پیدائشی فن کار نہیں لیکن میں نے اکتساب کرکے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ البتہ مجھ میں تخلیقی جوہر نہیں ہے۔

پھر تمہاری ماں نے پورا پورٹ فولیو بنایا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے کس کے پاس لے کر جائے۔ اور سوچو تو... اس سلسلے میں وہ مشورہ لینے کس کے پاس آئی؟ میرے پاس! بے وقوف لڑکی! میں نے وہ ڈیزائن چرایا نہیں... تمہاری ماں کا گلا کاٹ کے حاصل کیا تھا۔ سمجھیں کچھ ؟"

○☆○

نوید ظفر ریسیور رکھنے کے بعد سوچتا رہا۔ اس کے دوست ایکوریم انچارج نے اس کے شبہات کی تصدیق کر دی تھی۔ میوزیم اٹھارہ سال پہلے موجود ضرور تھا مگر اس کے اس حصے کا اس وقت وجود بھی نہیں تھا جہاں کھڑے ہو کر آدمی خود کو زیرِ آب محسوس کرنے لگتا تھا۔ جس سے جمال آفاقی نے اپنے دعوے کے مطابق اپنے مقبول ترین ڈیزائن کی انسپائریشن لی تھی۔ یعنی ڈیزائن مارکیٹ میں پہلے آیا تھا اور انسپائریشن دینے والا ایکوریم بعد میں بنا تھا۔ وہ دو سال بعد بنا تھا۔

جمال آفاقی نے جھوٹ کیوں بولا تھا؟

نوید سامنے رکھے ہوئے نوٹس کو گھورتا رہا۔ اس کے ساتھ جمال آفاقی کے انٹرویوز کے تراشے بھی تھے۔ ایک انٹرویو میں جہاں جمال نے ایکوریم کی سیر اور اپنی انسپائریشن کا نقشہ کھینچا تھا' وہاں ثریا نے ایک بڑا سوالیہ نشان بنایا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ثریا نے جھوٹ کو پکڑ لیا تھا اور اس کے لئے باقاعدہ چھان بین کی تھی۔

اور اب وہ مر چکی تھی۔

○☆○

آفتاب نے اندر جانے سے پہلے زرینہ کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ کار میں ہی بیٹھی رہے۔ وہ متوحش تھی۔ انتظار اور دعا۔ دعا کے سوا وہ کیا کر سکتی تھی باپ اور بیٹی کے لئے۔ دور سے سائرن کی آوازیں آتی محسوس ہوئیں۔ پھر ایک ٹیکسی اس کی کار کے پاس رکی اور اس میں سے نوید ظفر اترا وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

"نوید!" زرینہ نے اسے پکارا۔ پھر وہ کار کا دروازہ کھول کر نکلی اور اس کے پیچھے لپکی "وہ تیسری منزل پر ہیں" وہ لابی تک پہنچ گئی تھی۔

باہر پولیس کاروں کے بریک چیخے۔ پولیس والوں کے لابی تک پہنچنے سے پہلے زرینہ اور نوید اوپر چڑھنا شروع کر چکے تھے۔

"میرے خیال میں جمال آفاقی ..." نوید نے کہنا چاہا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

لفٹ تیسری منزل پر رکی "آپ یہیں ٹھہریں" نوید نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

○☆○

'کیا ماما کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہوگا؟' شہلا نے سوچا' کیا اس روز ماما نے بھی یونہی نظریں اٹھا کر اس شخص کے چہرے کو دیکھا اور رنگ بدلتا محسوس کیا ہوگا؟ شہلا جانتی تھی کہ وہ مرنے والی ہے۔ پورے ہفتے بغیر کسی سبب کے اسے یہ احساس رہا تھا کہ اس کا وقت پورا ہونے والا ہے اور اب تو بچنے کی کوئی امید ہی نہیں تھی۔

جمال آفاقی اور قریب آگیا تھا۔ اب بمشکل ایک ڈیڑھ گز کا فاصلہ ہوگا۔ اس کے پیچھے دروازے کے پاس بالے کا مڑا تڑا جسم پڑا تھا۔ شہلا نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ بالے کے زخم سے اب بھی خون برس رہا تھا۔

بالے کا یہاں گھسنا برسوں پہلے کی بات لگتی تھی۔ شہلا نے سوچنے کی کوشش کی کہ کتنی دیر ہوئی ہوگی اس بات کو۔ ایک منٹ' یا اس سے بھی کم؟ بظاہر تو بلڈنگ میں کوئی نہیں تھا۔ ...مگر ممکن ہے کوئی موجود ہو اور اس نے فائر کی آواز سنی ہو۔ ممکن ہے کوئی آجائے۔ گارڈ ممکن ہے' نیچے موجود ہو۔ جمال بھی جانتا تھا اور وہ بھی جانتی تھی کہ جمال کے پاس زیادہ مہلت نہیں ہے۔

دور سے دھیمی سی گھر گھر سنائی دی۔ لفٹ حرکت کر رہی تھی۔ یعنی کوئی آرہا تھا۔ شہلا کی آس بندھی۔ اسے کسی طرح جمال کو فوری طور پر ٹرائیگر دبانے سے روکنا تھا۔

"انکل... ایک بات بتائیں مجھے... صرف ایک بات" اس نے کہا۔ "میری ماما کو قتل کرنا کیوں ضروری تھا۔ آپ اور وہ مل کر بھی بزنس کر سکتے تھے؟"

"کوئی جینئس ڈیزائن نظر آجائے تو میں اسے شیئر نہیں کرتا شہلا۔"

لفٹ کا دروازہ کھل رہا تھا۔ کوئی باہر نکلا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جمال آنے والے کے قدموں کی آہٹ سنے۔ شہلا

نے چیخ کر کہا "تم نے صرف اپنے لالچ کی وجہ سے میری ماما کو قتل کیا اور تم ہمارے ساتھ سوگوار ہوئے۔ تم نے ہمارے آنسو پونچھے۔ ہمیں مشیتِ ایزدی یاد دلائی۔ تم نے جنازے پر کھڑے ہو کر بابا سے کہا... یوں سمجھ لو' تمہاری حسینہ سو رہی ہے۔"

"شٹ اپ" جمال نے ہاتھ بڑھایا۔ قریب سے ریوالور کی نال بہت بڑی محسوس ہو رہی تھی۔ شہلا نے اس سے نظریں چرانے کے لئے منہ موڑا تو اسے دروازے میں بابا کھڑے نظر آئے۔ "بابا! بھاگ جائیں۔ یہ آپ کو مار ڈالے گا۔"

جمال نے گھوم کر دیکھا۔ آفتاب اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا۔ اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا "جمال... ریوالور پھینک دو۔ کھیل ختم ہو چکا ہے۔"

جمال کی آنکھوں میں نفرت اور خوف تھا۔ آفتاب کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ پیچھے ہٹا "میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ میں گولی مار دوں گا تمہیں" وہ غرایا۔

"نہیں جمال۔ تم گولی نہیں چلاؤ گے" آفتاب نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا "تم نے میری بیوی کو مارا۔ تم نے ثریا نعیم کو قتل کیا۔ ایک سیکنڈ کا فرق نہ پڑتا تو تم میری بیٹی کو بھی قتل کر دیتے۔ مگر اب بھول جاؤ۔ پولیس کسی بھی لمحے یہاں پہنچنے والی ہے۔ میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس بار کوئی جھوٹ کارگر نہیں ہوگا۔ اس لئے بہتری ہے کہ ریوالور مجھے دے دو۔"

اسی وقت راہداری میں نوید ظفر نظر آیا۔ وہ عجیب منظر تھا۔ دروازے پر ایک لاش پڑی تھی۔ شہلا اور آفتاب کو جمال آفاقی نے ریوالور سے کور کیا ہوا تھا۔ نوید کو استقبالیہ میز پر چمک سی نظر آئی۔ وہ بھی ریوالور تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا وہ بھی بروقت اس ریوالور تک پہنچ سکے گا۔

پھر جیسے جادو کے زور سے سب کچھ بدل گیا۔ جمال آفاقی کے اٹھے ہوئے ہاتھ گرے اور پہلو سے آ لگے۔ "لے لو... یہ ریوالور لے لو ضمیر۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا... کبھی نہیں تھا" وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اور اس نے آفتاب کے پاؤں پکڑ لئے۔ "آفتاب! تم میرے دوست ہو' مجھے بچالو۔ انہیں بتا دو۔ انہیں بتا دو کہ میں کسی کو ضرر پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔"

○☆○

ایس پی کے دفتر میں میٹنگ ہو رہی تھی۔ انسپکٹر فرید وغیرہ جمال آفاقی کو گرفتار کر کے لے آئے تھے۔ اس میٹنگ سے پہلے ایس پی نے آفتاب ضمیر سے گفتگو کی تھی "سر! آپ سترہ سال سے خود کو یہ سوچ کر اذیت دیتے رہے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ کی غفلت اور غیر ذمے داری کی وجہ سے قتل ہوئیں۔ صرف اس لئے کہ آپ نے قتل زبان کی دھمکی کو اہمیت نہیں دی تھی۔ مگر اب تو آپ کا احساسِ جرم دور ہو گیا نا؟"

.... اور آفتاب ضمیر نے طمانیت سے سر ہلایا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں گہری اداسی تھی۔

جمال آفاقی نے ہر جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے بابر کی سیکریٹری شبانہ آئی تھی" انسپکٹر فرید نے ایس پی کو بتایا "اس نے رضاکارانہ طور پر بیان دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دس دن پہلے ثریا' بابر سے ملنے آئی تھی اور اسے دھمکیاں دی تھیں کہ وہ اسے مکمل طور پر تباہ کر سکتی ہے۔... بابر نے خود اسے دھکے دے کر باہر نکالا تھا۔ بہرحال اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔ ثریا کو بابر نے قتل نہیں کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اور سر... اب یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نعیم ملک بے قصور ہے۔ البتہ ہم اس پر مار پیٹ اور تشدد کا الزام اور اس کی بیوی پر اہم شہادت کو دانستہ طور پر ادھر اُدھر کرنے کا الزام عائد کر سکتے ہیں۔"

"آلۂ قتل مل گیا ہے یا نہیں؟"

"جی ہاں۔ چاقو اور چھریوں کی ایک دکان سے مل گیا۔ وہاں ویسے خنجر اور بھی تھے لیکن اس خنجر کا رنگ ایک جگہ سے اُڑا ہوا تھا۔ پھر لیبارٹری میں تجزیے کے بعد خنجر کی دھار پر خون کے دھبوں کی موجودگی بھی ثابت ہو گئی ہے۔"

"بس تو پھر ان دونوں کو معاف کر دو۔ ان کی بچّوں کا مستقبل تباہ کرنے سے کیا فائدہ۔ بھول جاؤ انہیں۔"

"بہت بہتر سر۔"

○☆○

شہلا اور نوید چھت پر کھڑے تھے "تم جمال آفاقی کے دفتر کیسے پہنچے؟" شہلا نے پوچھا۔

"میں ثریا کے نوٹس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس میں ڈیزائن کے حوالے سے ایک اسکیچ بھی تھا اور کچھ اشارے بھی تھے۔ وہ اسکیچ میں نے تمہاری ماما کی کتاب میں دیکھا تھا۔ بلکہ میں نے ہی اسے اپنے آرٹسٹ سے ٹھیک کرایا تھا..."

"اور تم سب کچھ سمجھ گئے؟"

"مجھے یاد آیا۔ تم نے مجھے بتایا تھا کہ جمال آفاقی کو کس طرح اس ڈیزائن کا آئیڈیا ملا تھا۔ میں نے فش ایکوریم فون کیا تو پتا چلا کہ ایکوریم کا مذکورہ حصہ ڈیزائن کے منظرِ عام پر آنے کے دو سال بعد بنا تھا۔ بس پھر میں سب کچھ سمجھ گیا۔ پھر مجھے تمہاری طرف سے خوف آنے لگا۔"

"تھینکس ڈیئر" شہلا نے کہا۔ وہ سوچ رہی تھی... میں ہمیشہ بابا سے اور جمال آفاقی سے پورے یقین سے کہتی تھی... بابا! جب کوئی میرے دل کو چھوئے گا تو مجھے فوراً پتا چل جائے گا۔ تب میں آپ کو بتا دوں گی آ کر' پھر آپ میری شادی کر دیجئے گا۔ اور اب وہ لمحہ آ گیا تھا۔ نوید ظفر نے اس کے دل کو چھو لیا تھا۔